فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ترجمہ از بیان القران) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دیا اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب وبلا سے) نجات دیا کرتے ہیں (الانبیاء آیت نمبر ۸۸)

ماھنامہ

# راہِ نجات

بارھمولہ کشمیر

مدیر منیر احمد وانی

جنوری ۲۰۱۲ء

Rs.25/=

Scanned with CamScanner

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ٥

(ترجمہ از بیان القران) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دیا اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب وبلا سے) نجات دیا کرتے ہیں (الانبیاء آیت نمبر ۸۸)

ماھنامہ

# راہِ نجات

## بارھمولہ کشمیر

جلد نمبر: ۱ شمارہ نمبر: ۱ بابت: ماہ جنوری ۲۰۱۲ء

سرپرست

عاصی غلام نبی وانی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، اونر

منیر احمد وانی

خصوصی شمارہ



Scanned with CamScanner

# اس شمارے میں


| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱ | اداریہ | مدیر | ۳ |
| ۲ | ابتدائیہ | عاصیؔ غلام نبی وانی | ۵ |
| ۳ | مولانا الیاس کی دینی دعوت اور کشمیر | عاصیؔ غلام نبی وانی | ۷ |
| ۴ | تاثرات | مولانا سید عبدالرحیم صدر مفتی و مہتمم دارالعلوم المصطفوی بارہمولہ | ۹۵ |


Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## اداریہ

قارئین عظام و برادران اسلام: اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا آپ تمام حضرات کو دو جہاں کی کامیابیوں سے نواز دے۔ زیر نظر رسالہ ''راہ نجات'' کا یہ پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خدا کا شکر بجالاتا ہوں جس نے مجھ بے بضاعت سے کچھ کام لینے کے لئے دروازہ کھولا اور رسالہ ھٰذا کا یہ پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آ گیا۔ رسالہ ھٰذا کا مقصد خدمت واشاعت دین ہے اور یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد بھی ہے اللہ جلّ جلالہ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ سورہ علق آیت نمبر ۴ (ترجمہ) آپ کا رب ایسا ہے جس نے لکھے پڑھوں کو قلم سے تعلیم دی (بیان القرآن) اللہ نے جو قوّت نوکِ قلم کو بخشی ہے وہ تلوار سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ تلوار سے دوسرے کو زیر تو کیا جاسکتا ہے لیکن دل نہیں جیتا جاسکتا۔ اس کے برعکس اگر قلم کا صحیح استعمال کیا جائے تو اس سے انسانوں کے دل جیتے جاسکتے ہیں۔ قلم اور کتاب کسی قوم کا اصل سرمایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کی رہنمائی کے لئے کتاب نازل کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

کتابوں نے مجھے سب کچھ سکھایا : کتابوں نے مجھے انسان بنایا

کتابیں جوں ہی میرے دل میں اتریں : اسی دم طور کا جلوہ دکھایا

آج کل بہت ساری کتابیں لکھی جاتی ہیں جن میں سے اکثر دنیاوی علوم وفنون کے متعلق ہوتی ہیں اور دنیاوی علوم کی کتابوں کا اتنا بوجھ طالب علم پر لادا جاتا ہے کہ اس کو ضخیم دینی کتابوں کے مطالعہ کا موقعہ ہی نہیں ملتا ہے۔ حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ ایسے رسائل وجرائد کا اجرا کیا جائے جن کے ذریعے طالب علموں اور مصروف قسم کے کاروباری اور ملازم پیشہ حضرات کو کم وقت میں زیادہ

Scanned with CamScanner

سے زیادہ دینی معلومات فراہم کی جاسکیں۔ صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے انسان اندھیروں میں بھٹک جاتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر ''رسالہ راہِ نجات'' ماہانہ شائع کرنے اور اس کو وادی کے اطراف واکناف میں پہنچانے کا آغاز کیا جاتا ہے تاکہ حیا سوز، ایمان سوز اور عریانیت کو بڑھاوا دینے والے رسالوں کے مقابلہ میں ایمان کو جلا بخشنے والا رسالہ بھی ہماری قوم کے تعلیم یافتہ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ کیونکہ جب بازار میں صرف سڑا ہوا مال ہی دستیاب ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صاف و پاک مال موجود نہ ہو تو لازمی بات ہے کہ عوام الناس وہی سڑا ہوا مال خریدنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔

پہلا شمارہ دعوت وتبلیغ کے متعلق ہے اس وقت دعوت وتبلیغ کا کام عالمی سطح پر ہو رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ جن بزرگوں نے اس کام کا احیاء از سر نو کیا ان کی زندگی کے صحیح حالات واقعات کام کرنے والوں کی نظروں میں ہر وقت ہوں۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے عملی طور کام میں حصہ نہیں لیتے ہیں لیکن پھر بھی یہ جان لینا چاہتے ہیں کہ آخر یہ تحریک کیا ہے اور اس سے اس امت کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اگر ان کے سامنے صحیح واقعات ہوں تو امید ہے کہ وہ کسی بہکاوے میں نہیں آئیں گے اور ان کی ذہنی وفکری تربیت ہو جائے گی۔ آگے چل کر امید ہے کہ وہ کبھی عملی طور پر بھی اس عملی محنت میں شریک ہو جائیں گے۔ زیر نظر رسالہ میں اس محنت کے اکابریں کے مختلف ادوار اور ہر دور میں ہوئی ترقیات کو دکھایا گیا ہے تاکہ دینی طلب رکھنے والے اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں اور کشمیر پر اس محنت کے جو مثبت اثرات مرتب ہوئے ان کا صحیح خاکہ بھی ناظرین کے سامنے آجائے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے احقر کے والد صاحب نے قلم اُٹھا کر جو قابل قدر خدمت انجام دی اس کو شائع کرنے کی سعادت احقر حاصل کر رہا ہے۔ خدا اس کو شرف قبولیت سے نوازے۔

مدیر

Scanned with CamScanner

# ابتدائیہ

از عاصیؔ غلام نبی وانی

احقر ۱۹۶۲ء سے دعوت وتبلیغ کی محنت کے ساتھ فکری اعتبار سے وابستہ ہے جب حضرت منشی اللہ دتا صاحب بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی سے پہلے بارھمولہ اور پھر فتحگڈھ تشریف لائے اور عملی طور ۱۹۶۵ء سے وابستہ ہے۔ ۱۹۷۵ء میں پہلا چلہ دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، دیوبند، سہارنپور اور میوات میں لگایا۔ اس کے بعد کئی مرتبہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی اللہ پاک نے اس مبارک محنت کے سلسلے میں اوقات لگانے کی توفیق نصیب فرمائی۔ ریاست جموں وکشمیر میں بھی اس عالی قدر محنت کے سلسلے میں اوقات لگانے کے علاوہ کئی مرتبہ ہندوستان کے عالمی اجتماعات میں بھی شرکت کی توفیق نصیب ہوئی۔ زندگی کے اس سفر میں احقر نے جو کچھ دیکھا یا دعوت کے ان اکابرین کے متعلق پڑھا اور محسوس کیا میرا دل چاہتا تھا کہ اس کو قلمبند کروں اور ناظرین کے سامنے پیش کروں لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس وقت تک اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے اولاد نصیب فرمائے جن سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب فرمائی۔ عزیزم سالکؔ بلال اور منیر احمد نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور فیصلہ کیا کی جو کچھ بھی احقر نے اپنی مصروف زندگی کے دوران سپرد قلم کیا ہے اس کو ایک رسالہ کے ذریعہ آہستہ آہستہ شائع کیا جائے گا اور خود بھی اپنے قلم کو حرکت میں لا کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ادا کریں۔ چنانچہ حال ہی میں یوم اقبالؒ کے موقعہ پر کشمیر یونیورسٹی میں جن تین کتابوں کو اجراء کیا گیا ان میں عزیز القدر سالکؔ بلال احمد کی کتاب ''اقبالؒ اور تصورِ عبدیت'' بھی شامل ہے اور دیگر مصنفین کے ساتھ اس کی بھی عزت افزائی کی گئی۔ جس کے لئے میں کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اقبالیات کے سربراہ عزت مآب پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب دامت برکاتہ کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ منیر احمد نے رسالہ راہ نجات شائع کرنے کا

Scanned with CamScanner

بیڑا اُٹھایا جس کا پہلا خصوصی شمارہ ''مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت اور کشمیر'' کی نظر کیا جارہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی پاک بارگاہ میں اس رسالہ کو قبولیت سے نواز دے اور زیادہ سے زیادہ بندوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

## ضرور مطالع فرمائیں

### (اقبال اور تصوّرِ عبدیت)

حال ہی میں سالک بلال احمد کی کتاب ''اقبالؒ اور تصورِ عبدیت'' یوم اقبال سالؒ ۲۰۱۱ء کے موقعہ پر کشمیر یونیورسٹی سے اجرا کی گئی جو اس موضوع پر غالباً پہلی پیشکش ہے کتاب پر شعبہ اقبالیات کشمیر یونیورسٹی کے سربراہ پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کی تقریز اور مفتی اعظم بارہ مولہ کے کلمات تحسین بھی درج ہیں۔ انشاء اللہ قارئین کو اقبالؒ کے تصورِ عبادت کے متعلق مفید معلومات حاصل ہوجائیں گی۔ یہ کتاب آپ میزان پبلکیشن بٹہ مالو سرینگر اور دفتر ماہ نامہ راہِ نجات لون کمپلکس متصلِ شروانی میموریل حال بارہ مولہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ (ادارہ)

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

# مولانا الیاس کی دینی دعوت اور کشمیر

**نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم : اما بعد**

دعوت وتبلیغ کے عنوان کے تحت جو محنت پورے عالم میں چل رہی ہے اُس کو دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف قسم کے حالات پیش آرہے ہیں۔ دنیا کے اندر مختلف اسلامی تحریکیں چل رہی ہیں اور تمام تحریکیں ایک مقصد کو سامنے رکھ کر اپنی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ کچھ تحریکیں علاقائی حیثیت میں کام کر رہی ہیں اور کچھ ملکی سطح پر اور کچھ تحریکیں عالمی سطح پر کام کر رہی ہیں۔ طریقہ کار میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر مقصد خدا کی رضا ہوگی تو یہ تمام تحریکیں ایک دوسرے کی معاون ہیں نہ کہ مخالف۔ عصری تحریکوں میں ایک عالمی تحریک دعوت وتبلیغ کی بھی ہے۔ جس کی موجودہ شکل مولانا الیاسؒ اور ان کے رفقا کرامؓ کی محنت اور دُعاؤں کا نتیجہ ہے۔ مولانا الیاسؒ نے اس تحریک کا کوئی نام نہیں رکھا بلکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کا کوئی نام رکھتا تو تحریک ایمان رکھتا۔ مولانا الیاسؒ اپنا کوئی نظریہ پیش نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ نظریہ تو نظریہ ہی ہوتا ہے۔ وہ کبھی صحیح بھی ہوسکتا ہے اور کبھی غلط۔ جیسا کہ ڈارون کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اصل میں بندر تھا پھر ارتقائی منازل سے گذر کر اُس نے موجودہ انسان کی شکل اختیار کی۔ یہ اُس کا ایک نظریہ تھا جو اگرچہ شرعاً شروع سے ہی غلط تھا مگر بعد میں اس کے سائنسی اصولوں سے بھی غلط ثابت ہوا۔ اس کے برعکس اسلام اور اسلام کے سایہ میں اُٹھنے والی تحریکیں کوئی نظریہ نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید جو تمام اسلامی تحریکوں کا منبع ہے صاف اعلان کرتا ہے کہ **ان الدّین عنداللہِ الاسلام** کہ اسلام ہی اللہ کے نزدیک صحیح دین ہے اور دین اُس نظام زندگی کو کہتے ہیں جس پر چل کر اللہ اپنے بندوں سے خوش ہوجاتا ہے اور یہ قرآن کسی بندے کی لکھی ہوئی کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ اللہ کا فرمان ہے۔

Scanned with CamScanner

مولانا الیاسؒ نے اس تحریک کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھی اور اس کے جملہ اصول قرآن وحدیث سے اخذ کئے۔ اس کام کی بنیاد نہ کشف وکرامات پر ہے نہ عقل وقیاس کی بنیاد پر۔ حالانکہ داعیان کرام نہ کبھی کشف وکرامات کے منکر رہے ہیں اور نہ ہی عقل وقیاس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں سے بھی جو چیز قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو ہم اس کے بھی منکر نہیں لیکن جب قرآن وحدیث سے کوئی بات صاف اور دلنشین طریقے سے بیان ہوئی ہو تو اُس میں کسی دوسری چیز کے سہارے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ حق ہے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے اللہ کے بے شمار بندوں سے کشف وکرامات کا صدور ہوا ہے اور وہ کشف وکرامات ان کے کام میں مدد ومعاون بھی رہی ہیں۔ اللہ نے ان کو ایسی نورانی عقل عطا کی کہ دنیا کے بڑے بڑے عقل مند ان کے معاملے میں انگشت بہ دنداں رہ گئے اور ان کی فراست اور قیاس سے لوگوں کو روشنی ملی۔

مولانا الیاسؒ نے اس امت کی موجودہ پستی کا اصلی سبب دعوت کے کام کو ترک کرنا یا اس میں سستی کرنا قرار دیا۔ مولانا کے نزدیک ہمارے ضعف ایمان کا اصلی سبب بھی دعوت کا ترک کرنا ہے۔ یہ دعوت کا کام جس کی طرف مولانا الیاسؒ امت کو متوجہ کر رہے ہیں پہلے انبیاء علیہم الاسلام سے لیا جاتا تھا۔ اب چونکہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اس لئے اس کام کی ذمہ داری امت کے ان افراد پر ڈالی گئی جو حضور ﷺ پر ایمان لائے ہیں اور جو قرآن کے ایک آسمانی کتاب اور ہدایت کی آخری کتاب ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کام کی ذمہ داری نہ کسی خاص طبقے پر ڈالی گئی ہے اور نہ کسی مخصوص جماعت پر ڈالی گئی ہے۔ بلکہ قرآن صاف اور صریح انداز میں حکم دیتا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (ال عمران آیت نمبر ۱۱۰) (ترجمہ) تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کی طرف (مراد پوری

Scanned with CamScanner

انسانیت کی طرف) اس لئے مبعوث کی گئی ہے کہ تم معروف یعنی بھلے کاموں کا حکم کرو اور برے کاموں سے منع کرو۔ اب اس حکم کرنے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس قوت بازو نہیں ہوگی تو اپنی زبان کو استعمال کر کے اپنی قوت تقریر اور دلائل سے امر بالمعروف کرسکتا ہے۔ اگر اتنی قوت بھی نہیں ہوگی تو اس کو حکم ہے کہ وہ اس برائی سے قلبی نفرت رکھے حالانکہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے لیکن پھر بھی ایمان میں شامل درجہ ہے۔

جہاں تک قوت بازو سے اسلام کے احکام کے نفاذ کا تعلق ہے تو دنیا کے اکثر ممالک میں ہمیں یہ حیثیت بلکل ہی حاصل نہیں ہے اور جہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے اور مسلمانوں کی سلطنتیں بالفعل موجود ہیں وہاں پر بھی لوگ جمہوری انداز میں ان رہنماؤں کو اپنا قائد بناتے ہیں جن کو نہ تو اسلام پر کوئی غیر متزلزل یقین ہے اور نہ ہی ان کی صورت وسیرت سے اور دن رات کی تقریروں سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے جس سے معروف کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔ دنیا کے بیشتر مسلمان مملکتوں کے قائد خود مغربی تہذیب میں مستغرق ہیں اور اپنی نجی زندگی میں اسلامی اقدار اپنانے کے ساتھ ان کا طرز عمل کوئی میل یا جوڑ نہیں کھاتا ہے۔ ہاں عید کے موقعہ پر کسی عیدگاہ میں جا کر دو رکعت پڑھ لینے کے بعد ریڈیو سے اعلان کرایا جاتا ہے کہ فلاں صاحب نے فلاں عیدگاہ میں نماز عید پڑھ لی۔

اب رہے حضرات علماء کرام تو ان کے متعلق تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی موجودہ شکل جو کچھ بھی ہے وہ ان ہی حضرات کے صدقے سے ہے۔ اور کسی عام مسلمان میں جو دلی نفرت کسی برائی کے متعلق پائی جاتی ہے وہ بھی ان ہی حضرات کی کاوشوں کے نتیجے میں ہے۔

لیکن بات یہاں پر آ کر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ مسلمانوں کو جن کے اندر ایمان کا کوئی بھی حصہ پایا جاتا ہے چاہے وہ صاحب اقتدار ہوں یا علماء حضرات یا عامۃ المسلمین۔ سبھوں کو قرآن اور



Scanned with CamScanner

حدیث اس بات کے لئے ذمہ دار قرار دیتے ہیں کہ وہ ایک جٹ ہو کر دعوت کے اس کام کو اس زور و شور کے ساتھ شروع کریں جس سے ایک تو ان کے اندر موجود ایمان کی حفاظت بھی ہو سکے اور دین کی اشاعت بھی ہو سکے۔ کیونکہ مسلمان کو نہ صرف ایمان بچانے کا حکم ہے بلکہ ایمان کی دعوت دینے کا حکم بھی ہے اور وہ بجز دعوت کی محنت کے ممکن نہیں۔

ہمارا ایک بہت بڑا طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ جب ہم میں ایمان موجود ہے تو پھر مسلمانوں کو دوبارہ دعوتِ ایمان دینے سے مراد کیا ہے؟ تو مراد اس سے یہ ہے کہ ایک ایمان موجود ہے اور دوسرا ایمانِ مطلوب ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو بھی بے ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ اتنا چھوٹا موٹا ایمان بھی کل قیامت کے بعد کسی نہ کسی وقت جہنم سے چھٹکارا دلائے گا لیکن اللہ کی طرف سے جس ایمان پر دنیا میں بھی کامیابی اور کامرانی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ایمان مطلوب کے ساتھ مشروط ہے۔

## ایمان مطلوب سے مراد کیا ہے؟

اگر کسی شخص کے پاس صرف دس روپے ہوں گے اور وہ اس بات کا اعلان کرے کہ لوگو! میں روپے والا ہوں اور وہ اپنا سرمایہ دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے کے بغیر قسمیں کھائے کہ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس قسم میں جھوٹا بھی نہیں ہے لیکن آج کے مہنگائی کے دور میں اگر وہ اس دس روپے کے سرمایہ کو لیکر کوئی تجارت کرنا چاہے تو کیا ایسا کرنا اس کے لئے ممکن ہے ؟ ظاہر ہے کہ ہر عقل مند آدمی یہی جواب دے گا کہ سرمایہ تو ہے لیکن برائے نام سرمایہ ہے اور اتنا چھوٹا موٹا سرمایہ لیکر اتنا بلند بانگ دعویٰ کرنا عقل و دانشمندی کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس اگر دوسرے شخص کے پاس ایک کروڑ روپے ہونگے اور وہ بھی دعویٰ کرے گا کہ لوگو! میں مالدار ہوں تو اس کا دعویٰ حق بجانب ہوگا کیونکہ ایک کروڑ روپے کے ذریعے سے وہ ایک فیکٹری کھول سکتا ہے

Scanned with CamScanner

جس میں سینکڑوں لوگ کام کر سکتے ہیں اور اپنا روزگار حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی حال موجودہ دور کے مسلمانوں کا ہے۔ صحابہؓ اگر ایمان کا دعویٰ کرتے اُن کے پاس پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ایمان تھا اور اُن کا دعویٰ صحیح ہوتا کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ آمِنُوا کَمَآ اٰمَنَ النَّاس کہ ایمان لاؤ جیسا کہ یہ لوگ لائے ہیں اور ''یہ لوگ'' سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور ایک ہمارا ایمان ہے جو ہمیں گھر سے مسجد تک نماز ادا کرنے کے لئے کھینچ کر نہیں لاتا ہے۔ ایسے ایمان سے دنیا کے اندر کون سا صالح انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ قرآن پاک میں ایمان والوں سے ہی فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ہ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ (سورہ الصف آیت نمبر ۱۰، ۱۱) یہاں پر خطاب کفار سے نہیں بلکہ ایمان والوں سے ہے (ترجمہ) کہ اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے وہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمھارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ (بیان القرآن)

## ایمان کے اندر داخل ہونا اور ایمان کو دل کے اندر داخل کرنا

یہاں پر ایک باریک نقطے کا بیان ہے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم زبان سے اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ ایک ہے۔ خدا کے ملائکہ حق ہیں۔ اللہ کی کتابیں حق ہیں اللہ کے رسول حق ہیں۔ قیامت حق ہے۔ تقدیر کا نوشتہ حق ہے اور اُس تقدیر میں ہمارے خیر وشر کے متعلق جو کچھ ضبط تحریر میں آیا ہے وہ حق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دنیا کا کوئی بھی شخص صرف اتنا ہی اللہ کے دوسرے بندوں کے سامنے اقرار کرے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو مسلمانوں کی مردم شماری کی فہرست سے خارج نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر اس کو ان باتوں کا قلبی یقین نہیں ہوگا تو خدا ایسے

لوگوں کے متعلق خود قرآن میں فرماتا ہے و لما یدخل الایمان فی قلوبکم یعنی یہ کہ ابھی ایمان تمھارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے۔ اب اس شخص کے صحیح ایماندار ہونے کی اسی وقت گواہی دی جاسکتی ہے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کی اطاعت کرے۔ یعنی اقرار بندگی کے بعد اس کو ضرور بالضرور اظہار بندگی کرنا ہوگا۔ کلمہ پڑھ کر زبان سے اپنی غلامی کا اقرار کرے گا۔ نماز پڑھ کر اپنی غلامی کا اظہار کرے گا۔ اور اسی کو کہتے ہیں اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب یعنی زبان سے اقرار دل سے تصدیق اور بدن کے اعضاء سے اس غلامی کا اظہار۔

## ایمان دل میں کیسے داخل ہوگا؟

مولانا الیاسؒ نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس بات کو سمجھایا کہ اگر امت ایمان کی ترقی اور اشاعت چاہتی ہے تو اُسے لازماً ایمان کی دعوت دینا ہوگی۔ اپنوں میں ایمان کو مضبوط بنانے کی دعوت اور ایمان سے محروم بندوں کو اسلام کی دعوت۔ ان کا اپنے اندر کا مضبوط ایمان دعوت کے ذریعے سے غیروں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص کا کسی بات پر اپنا ایمان مضبوط نہیں ہوگا تو دوسروں کو وہ جاندار دعوت نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کی دعوت میں کوئی وزن ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب مولانا کے نزدیک یہ نہیں تھا کہ کمزور ایمان والے دعوت نہیں دے سکتے ہیں بلکہ اگر ایک شخص کسی بھی درجے کا کمزور ایمان لے کر دوسروں کو مضبوط ایمان کی دعوت دے گا تو دعوت کا یہ خاصہ ہے کہ اس محنت سے اس کا اپنے اندر کا ایمان آہستہ آہستہ مضبوط ہو جائے گا کیونکہ اپنے ایمان کو فروغ دینے کا یہی راستہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہؓ کو دکھایا۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ ایمان لائے اس وقت عمومی اعمال کا حکم نہیں آیا تھا بلکہ حضور ﷺ نے ان اصحابؓ سے فرمایا کہ جس طرح میں لوگوں کو دین کی دعوت دے رہا ہوں اسی طرح تم

Scanned with CamScanner

بھی دین کی دعوت دو۔ یہی دعوت اس ابتدائی دور میں مسلمانوں کا پہلا عمل تھا اور ان کا بہترین وظیفہ ۔جس طرح اس دعوت کے لئے خود آپ ﷺ تکالیف اٹھا رہے تھے اسی طرح ان اصحابؓ کو بھی تکالیف اٹھانے پڑتے تھے۔ اسلام کے تفصیلی احکام اور اعمال کا ابھی نہ تو نزول ہی ہوا تھا اور نہ ان کی دعوت ہی دی جاتی تھی بلکہ کلمۂ توحید کے ذریعے دنیا کی ہر شئے (جس کو بالفاظِ دیگر غیر اللہ کہا جا سکتا ہے) کا یقین دلوں سے نکالا جا رہا تھا اور صرف اللہ کی ذاتِ عالی کا یقین دلوں کے اندر بھر دیا جاتا تھا۔ اللہ کے غیر سے نہ ہونے کا یقین اور اللہ سے ہونے کا یقین سمجھایا جاتا تھا۔ چیزوں اور چیزوں سے بننے والی شکلوں کا یقین اس درجہ سے دلوں سے نکالا گیا تھا کہ جب ہجرت کا حکم آیا تو کوئی بھی دنیا کی یا کسی اور چیز کی محبت ان کی ہجرت کو نہ روک سکی۔ حتیٰ کہ ایک صحابیؓ کے متعلق یہاں تک آیا ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد جب وہ حج کرنے کے لئے مکہ آتے تھے تو اپنے مکان کے پاس سے گذر کر اپنی ایک نگاہ تک بھی مکان کی طرف نہیں اٹھاتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ اپنی اس میراث کے ساتھ اتنی بے مروتی کیوں؟ وہاں سے جواب ملا کہ جن مکانوں کو ہم نے ایک مرتبہ اللہ کے لئے چھوڑا۔ ہم اب ان مکانوں کی طرف ایک نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

## پورا عالم دعوت کا میدان ہے

دعوت کی محنت کا میدان سارا عالم ہے علامہ اقبال کا شعر ہے کہ ؎

رہے گا وادیٔ نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے

اور اسی طرح دنیا کا ہر خطہ مسلمان کی میراث ہے ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی

Scanned with CamScanner

## موجودہ تبلیغی تحریک کا ایک تعارف

موجودہ تبلیغی تحریک جو اس وقت تمام عالم میں اپنے شباب پر ہے اور جس کے بانی حضرت مولانا الیاسؒ ہیں اس کے تین امیر اس وقت تک اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اور اس وقت اس کی عالمی قیادت حضرت مولانا محمد زبیر الحسن صاحب اور مولانا محمد سعد صاحب مد ظلھما سنبھالے ہوئے ہیں۔ جو قیادت اور امارت کے لحاظ سے اس تحریک کا چوتھا دور ہے۔ یہ سب حضرات ایک ہی خاندان کے ساتھ منسلک ہیں اور ان کا شجرہ طیبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ اور ان کے دیگر خاندانی مشائخ کے متعلق حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ نے ایک کتاب حالات مشائخ کاندھلہ کے نام سے لکھی ہے جس کی دوسری جلد میں مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد ہارون صاحب کے حالات قلمبند فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ تین جلیل القدر علماء نے ان تین حضرات کے متعلق الگ الگ سوانح عمریاں لکھی ہیں جن کے مطابق تینوں حضرات کی تاریخ پیدائش ،تاریخ وفات اور دور امارت اس طرح ہے:

| نام | سنہ پیدائش | سنہ وفات | دور امارت |
|---|---|---|---|
| حضرت مولانا محمد الیاسؒ | 1886ء | 1944ء | 15 سال |
| حضرت مولانا محمد یوسفؒ | 1917ء | 1965ء | 21 سال |
| حضرت مولانا انعام الحسنؒ | 1918ء | 1995ء | 32 سال |

## حضرت مولانا محمد الیاسؒ

## (دور امارت 1930 سے 1944 تک)

مولانا الیاسؒ 1886 عیسوی میں اتر پردیش کے قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولانا محمد اسماعیلؒ تھا۔ ان کا خاندانی شجرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ملتا ہے۔ اس پورے خاندان کا ہر دور میں دین کے ساتھ گہرا ربط رہا ہے اور اس خاندان میں بڑے بڑے علماء اور صلحاء

Scanned with CamScanner

پیدا ہوئے ہیں۔اس خاندان میں ایک ایسی ہستی بھی پیدا ہوئی ہے جس نے مولانا رومؒ کی مثنوی کا ساتواں دفتر لکھ کر مثنوی کا عظیم کام پورا کیا۔اور ان کا یہ ساتواں دفتر اتنا مقبول ہوا کہ ان کے علاوہ جتنے لوگوں نے ساتویں دفتر کو مکمل کرنے کی کوشش کی تھی وہ گویا اس دفتر کے سامنے معدوم ہو گئے ۔اس جگہ اس خاص واقعہ کا تذکرہ کرنا احقر نے اس لئے مفید سمجھا کیوں کہ مثنوی مولانا رومؒ ایک لاجواب کتاب ہے اور حقیقتاً صرف دعوت دین پر مشتمل ہے اور پھر اسی خاندان کے ایک مخلص فرد کو اللہ تعالیٰ نے اس دور اخیر میں عالمی تحریکِ دعوت کو جلا بخشنے کے لئے قبول کیا۔مولانا الیاسؒ نے پورے قرآن پاک کو حفظ کیا تھا۔آپ کی والدہ بھی حافظہ تھی۔ابتدائی تعلیم وتربیت حکیم محمد ابراہیم اور اپنے والد کے بعد اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حاصل کی۔اس کے بعد دس سال مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کی خدمت میں گذارے۔کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ دیوبندی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو کر مولانا خلیل احمدؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔دوسرے اساتذہ سے باقی فنون کی تکمیل کی۔آپ نے دیوبند کے قیام کے دوران شیخ الہندؒ سے بیعت جہاد بھی کی تھی۔طالب علمی کے زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ان کی وفات کے بعد مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری سے رجوع کیا۔1910ء میں تیرہ روپے مشاہرہ پر معاون مدرس کی حیثیت سے مظاہر العلوم سہارنپور میں منتخب ہوئے پھر دو روپے کا اضافہ تنخواہ میں کیا گیا اور مستقل مدرس بنائے گئے۔1912ء میں آپ کا نکاح ہوا۔1915ء میں آپ نے مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے ساتھ حج کیا۔1918ء میں آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ کا انتقال ہوا جو دہلی نظام الدین میں مسند درس سنبھالے ہوئے تھے۔آپ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں نے آپ کو دہلی منتقل ہونے پر اصرار کیا۔سہارنپور سے ایک سال کی رخصت لے کر آپ دہلی تشریف لائے جس زمانہ میں آپ

Scanned with CamScanner

سہارنپور سے نظام الدین دہلی تشریف لائے تو یہاں ایک چھوٹی سی مسجد، ایک بنگلہ اور ایک مختصر حجرہ تھا۔ یہی کل کائنات تھی۔ قریب میں نظام الدینؒ اولیاء کی درگاہ تھی جہاں مختصر آبادی تھی اور گنے چنے مکانات ورہائش گاہیں تھیں۔ باقی چاروں طرف جنگل اور سنسان علاقہ تھا۔ مدرسہ کی کوئی آمدنی نہیں تھی۔ اکثر فاقوں کی نوبت آئی۔ طلباء اور مولانا جنگل کی خودرو سبزیوں اور گولر وغیرہ سے پیٹ بھرلیا کرتے تھے۔ نظام الدین مرکز سے کچھ دوری پر مقبرہ ہمایوں ہے۔ اس مقبرہ کے پرے ایک ویران مسجد تھی۔ مولانا وہاں اعتکاف کرتے اور کچھ عرصہ مولانا پر خلوت نشینی کا یہ جذبہ بھی چھایا رہا۔

## میوات میں مزید مدارس ومکاتب کا قیام

میوات دہلی کے قریب ہی واقع ہے جہاں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد رہتی ہے۔ نام کے اعتبار سے تو یہ قوم مسلمان تھی لیکن عملاً غربت اور لاعلمی کی وجہ سے دین سے بے بہرہ تھی۔ اسی علاقہ کے بچوں کو مولانا الیاسؒ سے پہلے ان کے بڑے بھائی اور والد صاحب پڑھا رہے تھے اس لحاظ سے ان لوگوں کو علاقۂ میوات والوں کے ساتھ ایک خاص طرح کی موانست ہوگئی تھی۔ یہ دونوں حضرات مولانا سے پہلے میوات میں دینی واصلاحی محنت کا سلسلہ شروع کر چکے تھے لیکن جب مولانا الیاس صاحبؒ نے ان کی ذمہ داریوں کو سنبھالا تو اس میں مزید اضافہ بھی فرمالیا۔ علاقہ میوات میں دینی مدارس اور حفظ قرآن کے مکاتب قائم کئے اور ان کے تمام تر اخراجات مولانا الیاسؒ کے ذریعے پورے ہوتے تھے۔

## مولانا الیاسؒ کے انداز فکر میں تبدیلی کا آغاز

کچھ عرصہ کے بعد مولانا کو احساس ہوا کہ دین کی عمومی فضا اور اصلاحی ضرورتیں ان مکاتب کے ذریعہ پوری نہیں ہورہی ہیں۔ ماحول اتنا کثیف ہوچکا ہے کہ سال ہا سال تک دینی تعلیم حاصل کرنے والا نوجوان جب اس کثیف ماحول میں پہنچ جاتا ہے تو وہ پھر اسی رنگ میں رنگ جاتا

Scanned with CamScanner

ہے جو وہاں بہت پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اس لئے عمومی طور پر بھی دین کی اشاعت کی کوشش کی جانی چاہیئے تا کہ مدارس کے ذریعے نئی نسل میں دین آئے اور عمومی محنت کے ذریعے بڑوں میں دین آجائے۔ مولانا نے اس سلسلے میں علماء وصلحاء کو میوات کے سفر میں اپنے ساتھ لیا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو بھی علاقے کا دورہ کرایا۔ اپنے متعلقین کو مولانا سے بیعت کرایا۔ اس کے بعد آپ دوسرے حج کے لئے مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ساتھ چلے گئے۔ اسی حج کے دوران مدینہ پاک کے قیام میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور بتلایا گیا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ مولانا بے چین ہو گئے۔ بار بار سوچنے لگے کہ میں ضعیف وناتواں کیا کام کروں گا۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے بڑے بھائی سید احمد فیض آبادیؒ نے تسلی دی اور خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ تم کام کرو گے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ تم سے کام لیں گے بس مطمئن رہو کام لینے والے خود ہی کام لے لیں گے۔ اس جواب سے مولانا کی پریشان طبیعت کو بڑا اطمینان وسکون ہوا۔ پانچ ماہ قیام کے بعد دہلی واپس تشریف لائے اسی دوران سہارنپور تشریف لائے اور ایک جلسہ 1930ء کو بعد نماز عشاء جامع مسجد سہارنپور میں طے ہوا۔

کیونکہ اس وقت مولانا کو تبلیغ کے متعلق طبیعت میں عزم بالجزم کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس طرح سہارنپور سے اس کام کا عملی آغاز 1930ء سے ہوا۔ ابتداء میں ضرورت اور موقعہ ومقام کے اعتبار سے تبلیغی اصول وضوابط میں اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن آخر میں چھ نمبروں پر اتفاق رائے ہوا۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ لکھتے ہیں کہ ابتداء میں تبلیغی نمبر تیں اور ساٹھ تک گئے۔ پھر جب مولانا یوسف صاحبؒ کے زمانے میں کچھ حلقوں کی طرف سے چھ نمبروں پر اضافہ کرنے کی بات سامنے آئی تو مولانا یوسف نے اس پر سخت نکیر فرمائی اور اعلان فرمایا کہ ہم جب تک زندہ ہیں تبلیغ کے چھ نمبر رہیں گے۔ ساتواں نمبر نہیں ہوسکتا۔ مولانا انعام الحسنؒ صاحب اپنے دور امارت میں ان



Scanned with CamScanner

چھ نمبرات کو اس طرح بیان فرماتے تھے:

''کلمہ اور نماز کو لے کر علم الٰہی اور ذکر الٰہی کے ساتھ اپنا حق معاف کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے گلی در گلی پھریں گے، محلہ در محلہ پھریں گے، گاؤں در گاؤں پھریں گے۔''

932-33 عیسوی میں آپ نے تیسرا حج کیا۔ اس حج سے واپسی پر آپ نے جماعتوں کو مختلف علاقوں اور دینی مراکز میں تسلسل کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اسی دوران میو قوم کے خاندانی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے پنچایتیں قایم فرمائیں۔ ایک بڑی پنچایت 1934ء میں قصبہ نوح ضلع گڑگاؤں میں آپکی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں کلمہ، نماز اور عقائد کے تحفظ کا وعدہ ہوا۔ پہلی جماعت اپنے آبائی وطن کاندھلہ دوسری رائے پور ضلع سہارنپور روانہ کی۔ میوات میں پنج کوسہ نظام قائم کیا گیا 1938 عیسوی میں آپ نے آخری حج کیا۔ اور سلطان عبدالعزیز آل سعود کے سامنے بھی کام کی نوعیت اور حقیقت واضح کی گئی۔ سلطان نے مسند سے اتر کر اس ہندی جماعت کا استقبال کیا۔ اپنے قریب بٹھایا۔ ان حضرات نے تبلیغ کا عریضہ پیش کیا۔ پھر سلطان نے ۴۰ منٹ تک توحید وسنت پر تفصیلی تقریر کی اور اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ آپ جب اس آخری حج سے واپس تشریف لائے تو خوب دعوتی اسفار کئے۔ جماعتوں کو نکالا اور حادثہ وفات تک دن رات اس محنت میں مشغول رہے اور تمام صلاحیتوں کو اس کام کے لئے قربان کیا۔ بالآخر 1944ء میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

## مولانا محمد یوسفؒ صاحب کاندھلوی

## (دور امارت ۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۵ء (۲۱ سال)

مولانا یوسف صاحب ۱۹۱۷ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا

Scanned with CamScanner

الیاسؒ ہے۔آپ اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب مولانا محمد الیاسؒ صاحب سہارنپور میں استاد تھے آپ دس سال کی عمر میں حافظ قرآن بن گئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔اس کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں دوبارہ داخلہ لے کر صحاح ستہ تک تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ بھی اپنے والد صاحب اور ان کے متعلقین سے بڑی بڑی کتابیں پڑھیں۔۱۹۳۵ء میں مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ میں حضرت شیخ کی صاحب زادی ذکیہ خاتون سے آپ کا نکاح ہوا اور دوسری صاحبزادی ذاکرہ خاتون کا نکاح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ ہوا۔۱۹۳۵ء میں مولانا نے اپنے والد ماجدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ابتدا میں مولانا کا مزاج خالص علمی ومطالعاتی تھا۔مولانا الیاسؒ نے ان کو تحریص وترغیب کے بعد دعوتی اسفار پر روانہ کیا۔پہلی تقریر قصبہ نوح میوات میں اور دوسری تقریر موضع کنسالی میں مولانا کی موجودگی میں کی۔۱۹۴۴ء میں مولانا الیاسؒ کے بعد آپ کی جانشینی عمل میں آئی۔اپنی ذمہ داری کو سنبھالنے کے بعد حضرت شیخ زکریاؒ آپ کے پشت پناہ بنے۔بیعت کی اجازت پہلے ہی والد صاحب نے دی تھی۔ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ ایک کثیر طبقہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوا۔قیام پاکستان سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد آپ نے خوب دعوتی محنت کی آپ نے اپنی زندگی میں تین حج اور دو عمرے کئے۔ان اسفار میں آپ نے حجاج کرام اور عربوں کے سامنے کھول کر دعوت کی اہمیت اجاگر کی۔آپکے دور امارت میں یہ کام سعودی عرب، مصر، سوڈان، عراق، شام، اردن، فلسطین، لبنان، حضرموت، یمن، لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکش، افغانستان، ترکی، انڈونیشیا، ملایا، برما، سیلون، برطانیہ، امریکہ اور جاپان تک پہنچا۔اور عملاً علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا احیاء ہوا۔

دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

Scanned with CamScanner

اللہ کے راستے میں اپنے آپ کو خوب تھکا کر ۱۹۶۵ء میں اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔

## مسلمانوں کے تنزل و پستی کے اسباب حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ یعنی حضرت جی دوم کی نظر میں (ماخوذ از سوانح حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ)

### اپنی خواہش کا اسلام

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام چلنے والا نہیں ہے۔ صحیح ہے لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے، اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں وہ تو تمہاری بنائی ہوئی ایک نئی چیز ہو جائے گا۔ کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ پہلے شیر کی دم بنا رہا ہوں۔ اس آدمی نے کہا کہ دم چھوڑ دو۔ بے دم کے بھی شیر کی تصویر بن سکتی ہے۔ اس نے دم چھوڑ دی اور دوسری طرف بنانا شروع کیا۔ اب اس نے کہا اب کیا بنا رہے ہو، اس نے کہا کہ کان بنا رہا ہوں، اس نے کہا بے کان کے بھی شیر بن سکتا ہے، تم کان نہ بناؤ۔ بے کان کا شیر بنا دو۔ تو بھائی دوستو یہی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے۔ تو اسلام کی قطع و برید کی جا رہی ہے، اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا جا رہا ہے۔

### اپنی ذات کے متعلق غلط اندازے

حضور ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا، اس پر وحی آئی وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ (سورہ الکہف آیت نمبر ۲۳، ۲۴) (ترجمہ) اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا۔ مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے (بیان القرآن)، اور تمہاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا، ہم یہ کر

Scanned with CamScanner

رہے ہیں اور ہم یہ کر دیں گے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے، خلق کی صفت صرف خالق میں ہے، پوری مخلوق اپنی پیدائش، تربیت اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے

## اندرونی تبدیلی

مولانا یوسفؒ کے خیال میں امت کی اصلاح بیرونی تبدیلی سے نہیں بلکہ اندرونی تبدیلی سے ہو سکتی ہے مال و زر کی زیادتی، خوش پوشاکی، حسن تقریر یا مادی ترقی سے امت کی اصلاح ناممکن ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ امت اپنے اندر کی دنیا بدلے اور اللہ سے تعلق استوار کرے وہ فرماتے ہیں:

"کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی اور ناکامی نہیں ہے۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی حالت پیدا کر دیں گے"

## امت کا جامع تصور

اس عنوان کے تحت سوانح حضرت مولانا یوسفؒ میں لکھا ہے کہ

"امت اسلامیہ کی ہلاکت اور تباہی کا سبب مولانا کے نزدیک یہ قومی اور علاقائی عصبیت ہے جو اس وقت سارے اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور جو انہوں نے مغربی اقوام کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے قبول کر لی ہے اور اس کی وجہ سے باوجود اتحادِ کلمہ اور اتحادِ اُمتیت کے آپس میں دست بہ گریباں ہیں۔ اور خانہ جنگی میں مبتلا ہیں"

Scanned with CamScanner

علامہ اقبالؒ نے اسی صورت حال کے پیش نظر کہا تھا ؎

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

## اسلام کی حیات کا طریقہ

سوانح مذکور میں اس عنوان کے تحت مولانا کا یہ ملفوظ درج ہے کہ

"یہ خیال غلط ہے کہ ملک و مال ہاتھ آجانے سے اسلام چمکے گا۔ ملک و مال تو اسلام کو زندہ در گور کر رہے ہیں۔ آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور اس کے خزانے ہیں وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نمائندے نہیں ہیں، بلکہ قیصر و کسریٰ اور شداد و قارون کے نمائندے ہیں۔ ان سے حیاتِ اسلامی کی توقع بالکل غلط ہے۔ ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کہتا ہے 'انّی یُحیی هٰذهِ اللّٰه بعدَ موتِها' (البقرہ) اللہ اس مردے میں اب کیسے جان ڈالے گا۔ اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے، آج بھی قربانیوں سے ہی چمکے گا۔ اسلام کے لئے قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں بھی مٹ جاتا ہے"

## ذات و شخصیت کے بجائے اعمال و اخلاق

مفتی زین العابدین صاحب کہتے ہیں: "حضرت جیؒ کی ایک بات سے اس کامل یقین کا بھی اظہار ہوتا تھا" کہ حضور ﷺ والے اعمال کے بغیر کبھی بھی دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہوسکتی، چاہے کائناتی اسباب کتنے ہی ہاتھ آجائیں بلکہ کائناتی اسباب حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں جب تک حضور ﷺ والے اعمال کی روح نہ آجائے یہ اسباب مردہ ہیں اور یہ بھی فرماتے

Scanned with CamScanner

تھے کہ جو انسان خالق کائنات اور اصلِ کائنات حضور ﷺ کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی سی ہے، انھیں مال و دولت تو مل سکتے ہیں مگر سکون و محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی۔"

## اخلاص وللّٰہیت

اسی کتاب میں حضرت جیؒ کا یہ ملفوظ بھی درج ہے کہ "اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے (عمل) کرنا نفسانیت ہے۔ مال مل جائے، مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مان لی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کے لئے عمل کرنا ہرگز اخلاص اور للّٰہیت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کے لئے بھی محنت نہیں کرتے اس لئے کہ موعود تو موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنا کر کرتے ہیں وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں، اور جو لوگ صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں۔ ان پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور ملک و مال کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوقِ خدا پر محض رضائے الٰہی کے لئے خرچ کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔

## علم نبوی ﷺ اور اعمال نبوی ﷺ کی قوت و طاقت

ایک بار فرمایا "حضور ﷺ سے صادر ہونے والے اعمال کو خدا نے ایٹم سے زیادہ طاقتور بنایا ہے۔ اور ایک ایک عمل کو عالم میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ صلوٰۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف چاند اور سورج کے حالات بدلنے کے لئے ہے، دعا اور صلوٰۃ الحاجۃ ہر قسم کے انفرادی اجتماعی ناموافق حالات بدلنے کے لئے ہے۔ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کرا کے یہی ظاہر کیا گیا کہ حضور ﷺ سے صادر ہونے

Scanned with CamScanner

والا عمل اتنا طاقتور ہے اور یہ اشارہ حضور ﷺ کا تکوینی عمل تھا تشریعی عمل اس سے بھی طاقت ور ہے

## معاشرتِ اسلامی یا معاشرتِ جاہلی

معاشرت کے متعلق مولانا فرماتے تھے۔ ''حضور ﷺ کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی ،سادگی اور حیا پر ہے اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی، اسراف اور تعیُّش پر ہے۔ تمہیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنھوں نے تمہارے اسلاف کے خون بہائے۔ عصمتیں لوٹیں، ملک چھینے اور اب بھی تمہیں امداد دے کر اس طرح پال رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو۔ (یعنی ذبح کرنے کے لئے) اور جس نے تمہارے لئے خون بہایا، دانت شہید کرائے ۔حمزہؓ جیسے چچا شہید کرائے، تمہارے لئے راتیں جاگتے گزاریں، ان کی معاشرت تمہیں پسند نہ آئی ،دوستو! حضور ﷺ کی معاشرت بھی قیامت تک کے لئے ہے۔ جیسے ان کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے۔ جب تم میں نور ایمان آئے گا تو تمہیں حضور ﷺ کے معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔''

## حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ

### دور امارت ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۵ء تک (۳۲ سال)

مولانا انعام الحسنؒ ۱۹۱۸ء میں اپنے آبائی وطن کاندھلہ ضلع مظفرنگر یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی مولانا اکرام الحسنؒ تھا۔ دس سال کی عمر میں آپ قرآن پاک کے جید اور پختہ حافظ بن گئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے نانا صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا الیاسؒ آپ کو اپنے ساتھ ۱۹۳۰ء میں نظام الدین لائے۔ اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی یہاں پر کچھ علوم کی تکمیل حضرت مولانا الیاسؒ سے کی۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ سہارنپور تشریف

Scanned with CamScanner

لائے اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ تعلیمی سال پورا ہونے کے بعد نظام الدین واپس تشریف لائے اور چند کتابیں پھر مولانا محمد الیاسؒ اور مولانا احتشام الحسنؒ صاحب سے پڑھیں۔ فن حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم بھی آپ اور مولانا محمد یوسفؒ نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے پڑھی۔ اس کے بعد آپ پھر مظاہر العلوم سہارنپور آئے اور صحاح ستہ کی تکمیل فرمائی۔ یہ سال گذر جانے کے بعد پھر نظام الدین تشریف لائے اور یہاں رہ کر تعلیم کی تکمیل فرمائی اور مولانا یوسف صاحب کی حیات میں مرکز کے مدرسہ کاشف العلوم میں اس ادارہ کے مہتمم اور منتظم آپ ہی رہے۔ ۱۹۳۵ء میں مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ مولانا الیاسؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی معیت اور صحبت میں آپ کی حیات کے تقریباً پندرہ سال گذرے۔ ابتدائی دور میں برسوں مولانا الیاسؒ کے ساتھ دعوتی اسفار اور تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے رہے۔ اور آپ کے ہم عصر اور ہم زلف یعنی مولانا محمد یوسفؒ علمی مشغلہ اور تصنیفی ذوق میں مشغول رہے۔ کسی سفر پر جانا ان کو شاق گذرتا تھا اور کوئی خاص تدبیر اختیار فرما کر اس کو ختم کرنے کی کوشش فرماتے۔ خوش نویسی کی وجہ سے آپ یعنی (مولانا انعام الحسن) مولانا الیاسؒ کے کاتبِ خطوط بھی بن گئے۔ ان دونوں حضرات کی تربیت کرنے کے بعد مولانا الیاسؒ نے ایک مرتبہ یہاں تک فرمایا کہ جیسے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے لئے مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا رشید احمدؒ صاحب تھے ایسے ہی میرے لئے یہ یوسف وانعام ہیں۔ اپنی حیات کے آخری دن مولانا الیاسؒ نے آپ کو اور مولانا یوسفؒ کو بیعت کی اجازت دی۔

۱۹۳۵ء میں آپ کا نکاح حضرت شیخ زکریاؒ کی صاحب زادی ذاکرہ خاتون سے ہوا اور ۱۹۶۵ء میں مولانا یوسفؒ صاحب کی وفات کے بعد آپ دعوت وتبلیغ کے امیر بنائے گئے۔ اور حضرت شیخ زکریاؒ اپنی حیات کے دوران آپ کے پشتیبان بن کر رہے۔ آپ تقریر میں اشعار پسند

Scanned with CamScanner

نہیں فرماتے تھے۔ایک موقع پر والباکون من خشیۃاللہ (اللہ کے خوف سے رونے والے) کی تفسیر کے دوران یہ شعر پڑھا ؎

ایک آہ سی دل میں اٹھتی ہے، ایک درد سا دل میں ہوتا ہے
ہم رات میں اٹھ کر روتے ہیں، جب سارا عالم سوتا ہے

البتہ شیخ سعدیؒ کے وہ اشعار جو نصیحت پر مشتمل ہوتے کبھی کبھی مضمون کی مناسبت سے گاہ بگاہ پڑھ دیا کرتے تھے۔ایک دفعہ ایک بڑے عالم اور خطیب نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ فصیح و بلیغ مقرر تیار کریں اور تائید میں آیت قرانی ھُوَ اَفْصَحُ مِنّی لِسَاناً تلاوت کی۔مولانا ادب کی وجہ سے خاموش رہے پھر فرمایا کہ میرے ذہن میں جواب آیا تھا کہ اگر فصاحت و بلاغت ایسی ہی اہم چیز ہوتی تو نبوت بجائے حضرت موسیٰؑ کے حضرت ہارونؑ کو دی جاتی۔لکھا ہے کہ ایک مجلس میں حضرت مولاناؒ نے دعوتی احباب ورفقاء کو بیان وتقریر کے بارے میں درج ذیل دس ہدایات ارشاد فرمائی تھیں۔اِن ہدایات سے حضرت کی پسندیدہ اور مطلوب تقریر کا معیار بخوبی معلوم ہوتا ہے۔فرمایا:

(۱) جماعت میں نکل کر چھ نمبر سے ہٹ کر بات نہ کی جائے، چھ نمبر کے اندر ہی رہا جائے۔
(۲) عام فہم بات ہو تاکہ مجمع کی سمجھ میں آجائے۔
(۳) بغیر تحقیق کے کوئی بات نہ کی جائے۔
(۴) دین پر چلنے کا نفع بتائیں، نیز بشارتیں بتلائیں، وعیدیں نہ سنائیں۔
(۵) تقریر میں قرآن اور حدیث کی بات ہو، آخری درجہ میں تاریخ کی روایت بھی کہہ سکتے ہیں۔
(۶) تقریر میں سنی سنائی باتیں نہ بیان کی جائیں۔ایسے ہی حالات حاضرہ پر کوئی تبصرہ بھی نہ کریں۔
(۷) کسی کی ذات پر یا کسی جماعت پر اعتراض وتنقید نہ کی جائے۔

Scanned with CamScanner

(۸) اکرام واخلاص کی مشق ہو، ناصح بن کر بات نہ کی جائے۔

(۹) دعوت والی بات سمجھانا ہے۔ اپنی شخصیت نہیں سمجھانی ہے۔

(۱۰) اللہ کی جو مدد یں انبیائے کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہوئیں ان کو بیان کیا جائے۔ اپنے کو جو مدد یں حاصل ہوئیں وہ نہ بیان کی جائیں۔

مولانا محمد انعام الحسنؒ صاحب نے اپنی حیات میں سترہ حج اور چھ عمرے فرمائے۔

## مولانا انعام الحسنؒ کی دینی وفکری اور دعوتی بصیرت کا خلاصہ

مولانا انعام الحسنؒ، مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد الیاسؒ کے متعلق مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ نے اپنی تالیف ''دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم وادراک'' میں تینوں حضرات کے متعلق مختصر مگر جامع انداز میں اس طرح تبصرہ فرمایا ہے:

> ''کہ میں تو بہت غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور یہ سمجھا ہوں کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا دور ''فکر کا دور'' تھا اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب کا دور جوش کا تھا اور حضرت جی (انعام الحسنؒ) کا پورا دور ہوش پر مبنی تھا۔

مولانا انعام الحسن صاحب بڑے اعتماد ووثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''ہم اس دعوت والے کام کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اس وقت جو اس امت کی دینی و ایمانی حالت تھی اس حالت پر تمام امت آجائے''۔

ایک مرتبہ آیت شریفہ **ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر** تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

Scanned with CamScanner

''پوری امت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اتنے آدمی تیار کرے جو پوری امت کی دعوت کے لئے کافی ہوجائیں۔فرض کفایہ فرض عین سے بھی زیادہ قابل فکر ہے، کیونکہ فرض عین تو جو ادا نہیں کرے گا وہی گنہگار ہوگا اور فرض کفایہ ادا نہ ہونے کی صورت میں سب گنہگار ہونگے۔نیز اس آیت شریفہ میں امر بالمعروف پر یدعون الی الخیر کو مقدم فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا درجہ دعوت کا ہے۔جب تک ایسی جماعت نہ بن جائے جو پوری امت کے لئے کافی ہو تو اس وقت تک پوری امت کے ذمہ اس کا فکر ضروری ہے''

ایک مجلس میں دعوت، تزکیہ اور تعلیم کے عنوان پر فرمایا:

'اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ ،یعنی اللہ پاک نے حضور ﷺ کو تین چیزیں دے کر بھیجا ہے (۱) دعوت (۲) تزکیہ (۳) تعلیم۔دعوت اصل ہے اس لئے کہ اس کے کرنے سے بقیہ دونوں وجود میں آئیں گے۔حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اس دعوت کے ذریعہ سے تعلیم وتزکیہ سب زندہ ہوتے تھے۔اس لئے آج بھی اس دعوت کی محنت کی ضرورت ہے مولانا محمد یوسفؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین ی لونھم میں پہلے قرنی سے مراد دعوت دوسرے قرنی سے مراد ذکر اور تیسرے سے مراد تعلیم ہے تو جو دعوت والا کام کرے گا تو وہ پہلی صف یعنی صحابہؓ کی صف میں ہوگا خواہ وہ قیامت تک کیوں نہ ہو۔دوسرے سے مراد خانقاہ والے ہیں جو کہ قیامت تک اس میں لگیں وہ دوسری صف میں ہونگے، تیسرے سے مراد تعلیم ہے یعنی جو بھی

Scanned with CamScanner

عالم قیامت تک آئے گا وہ تیسری صف میں ہوگا۔اس لئے دعوت اہم ہے۔اگر دعوت کو کرتے رہیں گے تو ساری دنیا میں دین سو فیصد زندہ ہو جائے گا۔'' دعوت کے فوائد و منافع کے متعلق فرماتے ہیں:

''دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو ایمان میں قوت، عبادات میں جان، معاملات میں درستگی، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقیات میں حسن پیدا ہوگا۔''

مولانا انعام الحسن فرماتے تھے:

''جو اللہ کا بندہ دنیا کے جس حصہ میں بھی محنت کر رہا ہے۔وہ پورے عالم میں ہدایت کی محنت لانے پر لگا ہوا ہے۔اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک حوض ہے جس میں ہر شخص کی محنت جمع ہو رہی ہے اور سطح بتلانے کا پیمانہ لگا ہوا ہے کہ دعوت کی محنت کہاں تک پہونچی اور اللہ کی طرف سے ایک انداز مقرر ہے کہ محنت کی سطح جب یہاں تک آجائے گی تو پھر یہ عالمی فیصلے ہونگے اور جب یہاں تک آجائے گی تو یہ عالمی فیصلے ہونگے تو جس شخص کی محنت کا ایک قطرہ بھی اس حوض میں پڑ گیا اس نے گویا محنت کی سطح کو عالمی فیصلے کی طرف بڑھا دیا۔''

فرماتے تھے کہ:

Scanned with CamScanner

''بھائیو! دعوت مہا (عظیم) عمل ہے جو دوسروں کے عمل پر آنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ دعوت نبیوں کا کام ہے اور نبی خالی نظریات نہیں رکھتے بلکہ عملی زندگی میں کر کے دکھلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں۔ فلسفی اور نبی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فلسفی صرف فکر اور نظریہ رکھتا ہے۔ زندگی سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ پیش کرتے ہیں اس میں ان کی زندگی خود ایک نمونہ اور شاہراہ عمل ہوتی ہے''۔

## اہل ثروت اور اعیان حکومت سے خبردار رہنے کا مشورہ

ایک جگہ فرماتے ہیں ''کہ کام چھ نمبر کے دائرہ میں ہو رہا ہو، اس میں کوئی آمیزش اور ملاوٹ نہ ہو رہی ہو۔ اصحاب ثروت اپنے مال و دولت کے بل پر اور اعیان حکومت اپنی سیاست کے بل پر اس میں کوئی نقب زنی نہ کر رہے ہوں۔''

## امر بالمعروف پر ہی زور کیوں؟

ایک دفعہ مولانا انعام الحسنؒ صاحب سے پوچھا گیا کہ حضرت کچھ احباب کا کہنا ہے کہ ہماری جماعت میں صرف امر بالمعروف ہے نہی عن المنکر نہیں ہے جب کہ نص قرانی میں یہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔ اس پر فرمایا کہ مقصود کیا ہے؟ اظہار منکر یا ازالہ؟ عرض کیا گیا کہ مقصود ازالۂ منکر ہی ہے تو فرمایا اب تم دیکھو کہ وہ حضرات جو جماعت میں ہیں پہلے کی بہ نسبت ان میں منکرات کا اضافہ ہوا ہے یا ازالہ؟ اس نشست میں موجود علماء کرام نے اس گفتگو سے اچھا اثر لیا جس کا بعد میں انہوں نے ذکر بھی کیا۔

## اجتماع کیسا ہو

ایک خط میں ایک ذمہ دار کو منعقد ہونے والے ایک اجتماع کے متعلق تحریری طور لکھا کہ ''فیصلہ کریں کہ اصل تو بے خرچ کا اجتماع کرنا ہے، گھاس یا زمین کا فرش ہو، آسمان کا سایہ اور

Scanned with CamScanner

ایک لالٹین نام لکھنے کو ہو، تالابوں میں وضو کا پانی اور خدا کی زمین پر نماز کی ادائیگی۔ اپنے گھر کا کھانا ہو یا ہوٹل کا'' (اجتماع کے لئے بس اتنی چیزیں ضروری ہیں۔)

## شیخ حسن البناؒ کو مولانا محمد یوسفؒ صاحب کا مشورہ

ایک مجلس میں مولانا انعام الحسنؒ صاحب نے فرمایا کہ ''مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے شیخ حسن البناءؒ (مصر میں اخوان کے معروف بانی وداعی) کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے کام کو سیاست سے بلکل علٰحدہ رکھیں۔ حکومت سے بلکل نہ ٹکرائیں۔ مگر انہوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا۔ اور میں نے ایک موقعہ پر شیخ ابراہیم عزت کو یہی مشورہ دیتے ہوئے یہ بات بھی کہی تھی کہ ہمیشہ مثبت کام کریں۔ منفی پہلو بلکل سامنے نہ لائیں۔ انہوں نے میرا مشورہ قبول کر کے اس پر عمل بھی کیا۔''

دعوت کی بصیرت نامی اسی کتاب میں ''جس سے یہ واقعہ یہاں درج کیا جاتا ہے'' نیچے حاشیہ میں مولانا سید ابوالحسن علی الندویؒ کا درج ذیل تبصرہ بھی تحریر کیا ہوا ہے جو ان کی مشہور کتاب ''کاروان زندگی'' سے لیا گیا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ اگر اخوان کچھ عرصہ اور عملی سیاست میں حصہ نہ لیتے (یا اس عملی سیاست میں اُلجھا نہ لئے جاتے) اور اپنا اصلاحی ودعوتی کام پوری قوت سے جاری رکھتے تو ممالک عربیہ میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو جاتا اور ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی۔ مجھے مستند اور باوثوق ومتعدد ذرائع سے معلوم ہوا کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ حسن البناءؒ کو خود اس کا شدید صدمہ اور قلق تھا کہ ان کو قبل از وقت سیاسی میدان میں اترنا پڑا اور ان کا دامن ان کانٹوں سے الجھ گیا۔ ان کو اس کی بڑی تمنا تھی کہ ان کو پھر خالص دعوتی اور تربیتی کام کا موقع ملے اور وہ جماعت (اخوان) اور جمہور مسلمین میں وہ استعداد پیدا کرلیں جس کے بعد وہ ہر طرح کی ذمہ داری کو پورا کرسکیں اور ہر امتحان وآزمائش سے گذر سکیں'' (بحوالہ کاروان زندگی جلد اول ص ۳۸۲)

Scanned with CamScanner

اس کے برعکس شیخ ابراہیم عزت جو مصر کے ایک ممتاز عالم دین اور دینی حلقوں کے معتمد علیہ بلند پایہ خطیب تھے ۱۸ جولائی ۱۹۸۳ء میں مصر سے مکہ مکرمہ (سعودی عرب) آتے ہوئے حالت احرام میں انتقال کر گئے۔

## فیملی پلاننگ کے متعلق ہندوستان کے وزیر صحت کے خط کا جواب

۱۹۶۶ء میں وزیر صحت حکومت ہند کا ایک خط آپؒ کے نام آیا جس میں ہندوستان میں انسانی آبادی کے اضافہ پر فکر و تشویش ظاہر کر کے ملک کا اقتصادی اعتبار سے کمزور ہونا اور خاندانی منصوبہ بندی اس کا واحد حل ہونا بتلایا گیا تھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں منجملہ اور باتوں کے لکھا تھا کہ:

"جہاں تک دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا مسئلہ ہے وہ ایک فیصل شدہ امر ہے جتنے انسانوں کا آنا ہے اتنے اس دنیا میں آکر رہیں گے ہم اس کے کم کرنے کی جتنی بھی کوشش کریں اس میں کمی نہیں ہو سکے گی۔ اس صورت میں ہم اپنے اوپر ایک بوجھ اور بڑھا رہے ہیں جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ کی پیداوار پیدائش انسان کے لئے کافی ہو، اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔ بارش کی قلت یا طوفان کی کثرت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ غلہ کی پیداوار بلکل ہی نہ ہو تو اگر کھانے والوں کا کم ہونا ہی اس کا علاج ہے تو ایسی صورت میں جتنے پیدا شدہ ہیں ان کا کیا کیا جائے گا؟ اس لئے اس مشکل کا حل صرف یہ ہے کہ انسان زندگی گذارنے میں سادگی اختیار کریں۔ سادہ زندگی گذارنے میں جہاں عیاشی کی زندگی سے حفاظت ہے وہاں انسان میں کردار کی بلندی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب انسان وہ زندگی چھوڑ کر عیاشی کی زندگی اختیار کرتا ہے۔ تو حیوانی اور بہیمانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں"۔

Scanned with CamScanner

## معصیت کے عذاب کا علاج

مولانا کے متعلق دعوت کی بصیرت نامی کتاب جو سید محمد شاہد سہارنپوری نے لکھی ہے اس کے صفحہ نمبر ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ تقسیم ہند کے چند ماہ بعد مولانا محمد یوسفؒ نے پاکستان کا سفر کیا اور وہاں کے عام مجامع اور مجالس میں ببانگ دہل فرمایا کہ جو عذاب معاصی کی وجہ سے آرہا ہے اس کو تمہاری قواعد پریڈ، تمہاری توپیں اور بم کے گولے بھی نہیں روک سکیں گے اصل علاج اور تدبیر رجوع الی اللہ ہے۔ اپنے اندر ایمان پیدا کرو۔

## مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ بعض تبلیغی احباب کی ملاقات

دعوت کی بصیرت نامی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴۰ پر اس ملاقات کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب کا یہ واقعہ ملتا ہے کہ فروری ۱۹۴۷ء میں مسٹر محمد علی جناح سے بعض تبلیغی احباب نے سندھ جا کر ملاقات کی اور اس دعوتی کام کی اہمیت وضرورت ان کو بتلائی۔ مولانا محمد یوسفؒ صاحب اپنے ایک مکتوب میں اس ملاقات کی اطلاع حضرت شیخؒ کو اس طرح دیتے ہیں:

''سندھ کے اس دفعہ کے کام پر جناح سے تبلیغی گفتگو حاجی عبد الحمید کی زبانی وفد کی صورت میں ہوئی، اظہار تأثر کیا اور کہا کہ یہ تو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا کام ہے۔ باقی اس وقت مسلمانوں میں جو معاشی مصائب رائج ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے۔ اس وقت اس سے زیادہ گفتگو خلاف مصلحت سمجھی گئی۔ دوسری ملاقات پر اس کو ملتوی کیا گیا''

## ہمارا یہ کارِ تبلیغ مجدد الف ثانیؒ کے طرز پر ہے

مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۹ اور ۱۴۰ پر مولانا محمد یوسف صاحب کے حوالہ سے یہ سطور درج ہیں کہ:

''دین کا کام ایک تو ہے شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ کے طرز کا لیکن دیکھو ان کے ساتھ جو مجمع

Scanned with CamScanner

تھا وہ اولیاء کی صفات سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ سے مشابہت پائی جاتی تھی اور پھر ابتداء ہوئی بدعات اور فسق و فجور کے خلاف کوشش سے اور انتہا کی سکھوں کے خلاف جہاد سے۔ آج اس وقت امت میں اس طرز کے کام کی استعداد نہیں ہے۔

دوسرا کام ہے دین کا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طرز پر کہ نیچے سے اصلاح کرتے آؤ اور اگر نیچے اصلاح ہو جائے تو کم از کم درجہ یہ ہوگا کہ اوپر والوں کا شر انہیں میں محدود ہو جائے گا اور آخر میں وہ بھی ترک شر پر مجبور ہوں گے۔ اگر حکومت سے شر آیا ہے تو عوام میں جن میں کوشش کر سکتے ہو ،ان کو شر سے خیر پر ڈال دو تو حکومت کا شر بھی ختم ہو جائے گا۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حکومت کے علاوہ اس کے نیچے کو درست کرنا شروع کیا۔ آخر میں حکومت کا بھی شر ختم ہو گیا اور ان کی کوشش کے طفیل اکبر اور جہانگیر کی اولاد میں عالمگیر جیسے خادم شریعت پیدا ہوئے۔ ہمارا یہ کارِ تبلیغ حضرت مجددؒ کے طرز پر شر کو روکنا ہے اور خیر کی طرف جوڑنا ہے"۔

## خود کرسی اقتدار ڈھونڈنے کے بجائے اہل اقتدار تک دین پہنچانا

مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر یہ بھی لکھا ہے کہ:

اسی طرح دعوت و تبلیغ کے بارے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا نظریہ اور طرز فکر یہ تھا کہ عوامی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کا مزاج دینی و ایمانی بنایا جائے اور اقتدار و حکومت حاصل کرنے یا دین دار طبقے کو کرسی اقتدار پر بٹھانے کے بجائے اہل اقتدار و حکومت تک دین پہنچایا جائے تا کہ ان میں دینی شعور و مذہبی جذبات بیدار ہو جائیں۔ اور وہ آخرت کو سامنے رکھ کر حکومت کریں۔

## یکسوئی نہیں بلکہ سینہ سپر ہو کر کام کرنا

ایک صاحب نے حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ سے اپنے لئے یکسوئی تجویز فرمائی تھی اس

Scanned with CamScanner

کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ:

"آپ نے جو اپنے لئے یکسوئی تجویز فرمائی ہے یہ اپنے دیگر مشائخ کا راستہ ہے ۔ہمارے حضرت جیؒ اور دیگر مشائخ کا یہی اختلاف تھا۔دیگر مشائخ کا رویہ یہ تھا کہ اب زمانہ اصلاح کا نہیں رہا ہے۔بس ایک گوشہ کے اندر پڑے رہیں۔لیکن ہمارے حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد عالی یہ تھا کہ اب فتن اتنے کثیر ہیں کہ تنہائی کی کوٹھری میں بھی گھستے چلے جارہے ہیں اس لئے سینہ سپر ہونے کی اور ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ورنہ تنہائی میں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔یہی آپ سے عرض ہے کہ گوشہ تنہائی اختیار کرنے میں اگرچہ عافیت نظر آتی ہے لیکن اس میں بھی عافیت دشوار ہے۔اس لئے ہمت کی بات یہ ہے کہ تمام باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صحیح نہج پر لانے کی فکر فرماتے رہیں ۔اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ ہمارے ہاتھوں اس نعمت کو ناکام نہ فرمائے۔بلکہ اپنے فضل کا معاملہ فرما کر آلائشوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

محمد انعام الحسن

بقلم محمد غزالی

## سیاست سے پہلے دعوت

دعوت کی بصیرت نامی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۵ پر یہ لکھا ہے کہ:

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب سیاست سے پہلے دعوت دینے کے قائل تھے اور اس کے خلاف عمل کرنے میں اسلام اور مسلمان دونوں کا نقصان محسوس کرتے تھے فرماتے تھے:

"اس امت سے صدیوں سے سیاست کی قوت واہلیت سلب ہوچکی ہے اب مدتوں صبر و ضبط کے دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔اس کے بعد مسلمانوں میں نظم واطاعت کی

Scanned with CamScanner

قابلیت اور قانون کی پابندی میں کام کرنے کی قوت پیدا ہوگی"

## ہر تحریک والوں میں مساوی طور سے کام کیا جاوے

مذہبی وسیاسی تنظیموں وتحریکوں کے افراد کو بھی مولانا الیاسؒ اس کام میں جوڑنا چاہتے تھے چنانچہ مذکورہ کتاب میں ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مولانا کی کوشش یہ رہتی تھی کہ تمام مذہبی وسیاسی تنظیموں وتحریکوں کے افراد اور نمایاں حضرات اس دعوت والے عمل میں جڑیں۔ اور دعوت کے اثر سے متاثر ہو کر اپنے ملی وقومی کاموں میں پختگی لائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نازک و پر آشوب دور میں بھی آپ نے اپنے رفقاء اور دعوتی احباب کو مسلم لیگ اور مجلس احرار لاسلام وغیرہ جیسی جماعتوں میں بھی دعوتی عمل شروع کرنے کی ہدایت فرمائی اور آپ کی طبیعت پر اس کا اتنا غلبہ ہوا کہ جب بعض خواص اہل تعلق نے کچھ اندیشہ محسوس کرتے ہوئے اس میں توقف کی رائے دی تو حضرت مولانا نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو پوری صورت حال لکھ کر اس طرف متوجہ فرمایا کہ وہ ان خواص اہل تعلق سے رابطہ قائم کر کے ان کے ذہنی خلجانات واشکالات دور کریں اور اپنا مافی الضمیر اس طرح بیان کیا ہے کہ مجھے "۔۔۔۔۔۔۔۔ سے اس امر میں سخت اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ تبلیغ کسی تحریک کے مثلاً (لیگی واحراری) لوگوں میں نہ کی جائے کہ اتہام سے اختلاف کا اندیشہ ہے یہ صحیح ہے لیکن مقصد ہر شخص کو خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھے اس میں لگا دینا ہے اگر اس ڈر سے اس کو چھوڑ دیا جائے تو میرے نزدیک یہ کام بند کر دینے کے مرادف ہے اس وہم کے دفعیہ کی صورت یہ ہے کہ ہر تحریک والوں میں مساوی طور سے کام کیا جاوے جس سے اشتباہ خصوصیت کا نہ ہو۔ (بحوالہ دعوت کی بصیرت صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

## یورپ اور اقوام مغرب میں دعوت چلائی جائے

مولانا الیاسؒ مولانا محمد علی جوہرؒ "جن کو انگریزی زبان پر مکمل عبور تھا" کے ذریعے اقوام مغرب میں دعوت کا کام چلانا چاہتے تھے چنانچہ ان کو ایک خط میں لکھا تھا کہ:

"اس وقت یہ قوم برسرِ اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے کہ اہل حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق کیے جانے

Scanned with CamScanner

پر مدعوّین کی دوراہیں ہوئی ہیں ۔دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوزِ دارین اور دین خداوندی اور مذہب آسمانی کی تروتازگی اور آب وتابانی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال وبربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران ونامرادی، غرض کوئی ایک معاملہ کا ان کے ساتھ متعین ہوجانا اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور ردّوانکار پر مبنی ہے"

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

بقلم احتشام غفرلہٗ (بحوالہ دعوت کی بصیرت صفحہ ۱۳۸)

## مولانا زبیر الحسن صاحب دامت برکاتہم

(۱۹۹۵ء سے تاحال)

مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کی پیدائش ۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء میں ہوئی حفظ قران پاک کی بسم اللہ یکم جنوری ۱۹۵۴ء میں حضرت اقدس رائے پوری کے پاس قصبہ رائے پور میں ہوئی۔ حضرت شیخ ،مولانا اکرام الحسن ،مولانا محمد یوسف ،مولانا محمد انعام الحسن ،مولانا محمد ہارون ،مولانا طلحہ اس مجلس میں موجود تھے حفظ قران پاک کے بعد فارسی وعربی کی تعلیم ہدایت النحو اور کافیہ تک گھر پر مختلف اساتذہ سے حاصل کی ۔۶ فروری ۱۹۶۶ء میں مظاہرِ علوم میں داخلہ لے کر آپ نے شرح جامی اور شرح وقایہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا ۔۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں جامعہ مظاہرِ علوم سہارنپور سے فراغت پائی اور نظام الدین دہلی واپس پہنچ کر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی زیر تربیت رہتے ہوئے علمی اور دعوتی مشاغل میں مصروف ومنہمک ہوئے اور سفر وحضر میں کسی وقت بھی اپنے والد ماجد کی نگاہ تربیت سے اوجھل نہیں ہوئے ۔مرکز تبلیغ کے تحت قائم مدرسہ کاشف العلوم میں کئی سال تک درجہ ابتدائی عربی میں حمد باری، پنج گنج، میزان الصرف، نورالایضاح اور درجہ وسطیٰ میں کنز الدقائق، الادب المفرد، ریاض الصالحین وغیرہ پڑھانے کے بعد فن حدیث میں مشکوٰۃ

Scanned with CamScanner

شریف، مسلم شریف پڑھائیں اب ایک عرصہ سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔

۱۵ جنوری ۱۹۶۹ء چہار شنبہ (بدھ وار) میں مولانا الحاج حکیم محمد الیاس صاحب سہارنپوری کی صاحب زادی اور حضرت شیخ زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی نواسی طاہرہ خاتون سے آپ کا نکاح ہوا۔ مولوی محمد ظہیر الحسن، مولوی محمد صہیب، حافظ محمد خبیب، اور تین صاحبزادیاں آپ کی اولاد ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے سلسلہ کی سب سے پہلی تقریر آپ نے ۱۹ اگست ۱۹۷۴ء جمعہ میں دفتر مدرسہ قدیم کی مسجد میں کی۔ اس تقریر میں آپ نے چھ نمبر بیان کئے تھے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ بھی اس موقعہ پر مسجد میں موجود تھے لیکن آغاز تقریر سے قبل حضرت شیخ کے ساتھ مسجد سے کچے گھر (حضرت شیخ کا مکان) تشریف لے آئے تھے تاکہ موصوف کسی تکلف و جھجک کے بغیر تقریر کر سکیں۔

تکمیل علوم کے بعد آپ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوئے۔ اور ان کی زیر ہدایت رہ کر ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ ۱۰ فروری ۱۹۷۸ء یوم جمعہ میں حضرت شیخؒ نے آپ کو اجازتِ بیعت و خلافت سے نوازا۔ اس کے علاوہ آپ کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کے سلسلہ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ صاحب سے بھی اجازتِ بیعت و خلافت حاصل ہے۔

اپنے والد مولانا انعام الحسن صاحب کی وفات کے بعد مرکز نظام الدین اولیاءؒ میں مولانا محمد سعد مدظلہ العالی کے ساتھ دعوت کی محنت میں رات دن لگے ہوئے ہیں اور عالمی فکروں کے ساتھ پورے عالم میں اس محنت کو زندہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

## مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم

(ولادت ۱۰ مئی ۱۹۶۵ء)

آپ مولانا محمد ہارون صاحب کے فرزند ارجمند اور مولانا محمد یوسفؒ کے پوتے ہیں۔ مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں علمی و دعوتی خدمات میں مشغول ہیں۔ مولانا محمد سلمان صاحب سہارنپوری کی بڑی صاحب زادی 'بریرہ' خاتون آپ کے نکاح میں ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی وفات کے بعد دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ان دو حضرات پر مشورہ سے ڈالی گئی اور دونوں حضرات اپنی خاندانی شرافت، اور باہمی الفت کے ساتھ اپنے اسلاف کے خون سے سینچی ہوئی اس دعوت وتبلیغ کی قیادت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ بیانات اکثر مولانا سعد صاحب کے ہوتے ہیں اور دعا اور مشورہ کی ذمہ داری مولانا زبیر الحسن صاحب انجام دے رہے ہیں۔ آپ دونوں حضرات نہ صرف مرکز نظام الدین کے انتظام وانصرام کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں بلکہ عالمی فکریں لیتے ہوئے عالمی تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ مولانا سعد صاحب کے بیانات سے ایک دنیا کی کایا پلٹ رہی ہے کیونکہ آپ کا ہر لفظ درد میں ڈوبا ہوتا ہے۔ بیان فجر، کلمہ کی دعوت حصہ اول، دوم میں آپ کے چند بیانات شائع ہوئے ہیں جن میں آپ نے اسباب کی مکمل نفی فرما کر مُسبِّبُ الاسباب کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے اور اسی سے سب کچھ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ خدا آپ کی زندگی میں برکت نصیب فرمائے۔

## حضرت مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت اور کشمیر

بستی نظام الدین اولیاء دہلی کی ایک مشہور بستی ہے۔ کیونکہ اس بستی میں ہندوستان کے ایک مشہور ولی حضرت نظام الدینؒ اولیاء کا مقدس مزار ہے۔ اسی زیارت کے پاس انقلاب 1857 عیسوی کے بعد مرزا الٰہی بخش نے جو بہادر شاہ کے قرابت دار تھے سکونت اختیار کی۔ مرزا الٰہی بخش نے کچھ

Scanned with CamScanner

مکانات تعمیر کرائے۔ایک چھوٹی سی مسجد' مسجد کے ساتھ ہی اپنی نشست کے لئے ایک ٹین پوش کمرہ بنوایا جو بنگلہ کہلاتا تھا اور اسی نسبت سے یہ مسجد بنگلہ والی مسجد کہلاتی ہے۔اپنے بچوں کے معلم مولانا اسماعیل صاحب کے لئے مسجد کے ساتھ ایک حجرہ بھی بنوایا۔مولانا اسماعیلؒ ہندوستان کی مشہور ریاست اتر پردیش کے قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔اوران کی دوسری شادی اسی ریاست کے قصبہ کاندھلہ میں ہوئی تھی۔مولانا اسماعیلؒ اس خاندان کے ساتھ وابستہ ہوئے کہ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی بن گئے۔اوروہاں پر ایک چھوٹا سا رہائشی مکان بھی تعمیر کیا لیکن خود دہلی کی اسی بنگلہ والی مسجد میں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔کاندھلہ میں آپ کی ایک لڑکی اور دو نامور لڑکے مولانا محمد یحییٰؒ صاحب اور مولانا الیاسؒ صاحب پیدا ہوئے۔پہلی بیوی سے ایک فرزند مولانا محمد میاں صاحبؒ تھے۔مولانا اسماعیلؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد میاںؒ ان کی جگہ پڑھانے لگے اوران کی وفات کے بعد مولانا الیاسؒ نے ان کی جگہ سنبھالی۔

## مولانا الیاسؒ کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم

مولانا الیاس صاحبؒ ۱۸۸۶ء میں کاندھلہ ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔بچپن کا کچھ حصہ کاندھلہ میں اور کچھ حصہ دہلی میں اپنے والد مولانا محمد اسماعیلؒ کے پاس گذارا۔آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا۔آپ نے دینی تعلیم کا کچھ حصہ کاندھلہ میں اور کچھ حصہ گنگوہ اتر پردیش میں حاصل کیا۔تقریباً دس برس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گذارے۔مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے علاوہ چند دیگر حضرات سے بھی باقی فنون کی تکمیل کی۔آپ نے مولانا محمود الحسنؒ کے ہاتھ پر انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کی بیعت بھی کی تھی۔آپ کے پہلے مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔اور ان کے بعد مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری سے بیعت کی۔انہوں نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔اپنے سوتیلے بھائی مولانا محمد

Scanned with CamScanner

میاںؒ صاحب کے بعد آپ نے دہلی کے مدرسہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ میوات والوں کے ساتھ والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب کے تعلقات کافی مضبوط ہو چکے تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں کی وساطت سے وہاں کچھ دینی فضا بھی بننی شروع ہوگئی تھی۔ مولانا الیاسؒ نے نہ صرف اس تعلق کو برقرار رکھا بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔ میوات میں خود جاتے۔ اپنے مرشد مولانا خلیل احمدؒ صاحب کو بھی اس علاقہ کا دورہ کرایا۔ اور جگہ جگہ مدارس قائم کئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولاناؒ کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ دین کی مطلوبہ درجہ کی بیداری صرف ان مدارس سے پوری نہیں ہوتی ہے لہٰذا ان مدارس کے ساتھ ساتھ ایک عمومی تبلیغی تحریک چلانے کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ اس طرح چھوٹے چھوٹے نونہالوں کے ساتھ ساتھ بڑوں میں بھی دینی اعمال کو زندہ کرنے کا رواج چل پڑے۔ آپ نے کئی حج کئے۔ دوسرے حج میں مدینہ منورہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے مولانا سے فرمایا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ اس خواب سے مولاناؒ کو بے چینی پیدا ہوگئی۔ کہ آخر میں ضعیف و ناتوان کیا کام کروں گا۔ ایک بزرگ نے مولانا کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو گے بلکہ یہ کہا گیا کہ تم سے کام لیں گے۔ بس مطمئن رہو۔ کام لینے والے خود ہی کام لے لیں گے۔ اس تعبیر سے مولاناؒ کو اطمینان ہوا اور ۱۹۲۶ء میں دہلی واپس تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی تبلیغی مہم شروع کی۔ اس وقت کے بڑے بڑے علماء و صلحاء سے مشورے حاصل کئے۔ دہلی (اتر پردیش) میوات اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں تک دعوت کے حلقے کو وسیع کیا۔ لیکن مولانا الیاسؒ کی زندگی میں دعوت کے سلسلے میں کوئی جماعت کشمیر نہیں بھیجی گئی۔

## میر واعظ کشمیر اور تبلیغی جماعت

مولانا سید ابوالحسنؒ ندوی نے اپنی مشہور کتاب ''مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' میں میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسفؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۴ء کو مولانا محمد

Scanned with CamScanner

یوسفؒ صاحب کشمیری (میر واعظ صاحب) مقیم تھے اور مولانا (الیاسؒ صاحب) پوری قوت کے ساتھ علماء کو اس کام کی اہمیت اور عظمت سمجھانے کی طرف متوجہ تھے اور یہی ان دنوں مولاناؒ کی سب سے بڑی فکر اور موضوع سخن تھا۔ کچھ آگے چل کر مولانا ابوالحسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مولانا الیاسؒ ان دنوں ''صبح کی چائے اور رات کے کھانے کے بعد عموماً گفتگو فرماتے جو بعض اوقات کئی کئی گھنٹے جاری رہتی جس سے ضعف بڑھ جاتا۔ ہم لوگ ادب سے چپ رہتے ایک روز میر واعظ صاحب نے خوب فرمایا کہ شاید اسی موقع کے لئے ہے (حتٰی قلنا لیتہ' سکت) اس عربی جملے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہؓ جس وقت دینی محنت کے متعلق حضور ﷺ کی بے قراری دیکھتے تھے اور دینی محنت کے متعلق زبان مبارک سے بار بار تذکرہ سنتے تھے تو دل ہی دل میں کہتے تھے لیتہ' سکت کہ کاش اب حضور ﷺ خاموشی اختیار فرماتے کیونکہ آپ ﷺ اپنے اوپر دین کی اتنی فکر لیتے تھے۔ کہ آپ ﷺ کی حالت قابل رحم بن جاتی تھی۔ اصل میں کشمیر میں دعوتی محنت کے سلسلے میں پہلا گشت میر واعظ کشمیر حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب نے کیا ہے۔ مولانا محمد یوسفؒ شاہ صاحب کشمیری نے دینی تعلیم دیوبند میں حاصل کی تھی اور وہ بہت پہلے ہی سے مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی تحریک سے واقف تھے۔ اور ان کے ساتھ ان کی وابستگی بہت پہلے سے تھی۔ میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے اور ایک دفعہ یہ بات مولانا غلام نبی مبارکیؒ صاحب نے بھی فرمائی ہے کہ مولانا کشمیریؒ جب ہندوستان سے کشمیر واپس تشریف لائے تو ایک دن اپنے متعلقین سے فرمایا کہ آؤ آج ہم ایک اہم دینی گشت کریں گے جو کہ میں نے ہندوستان کے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا الیاسؒ سے سیکھا ہے۔ یہ فرما کر اپنے متعلقین کو ساتھ اٹھایا اور گھر گھر جا کر گشت کیا۔ سرینگر والوں کے لئے یہ ایک بڑی تعجب کی بات تھی کہ میر واعظ کشمیر جیسی جلیل القدر ہستی ان کے دروازوں پر خود ہی تشریف لائے۔ جن کو کئی کئی بار بلانے کے باوجود بھی ان کے گھروں میں آنے کی فرصت

Scanned with CamScanner

نہیں ملتی تھی۔ لوگ حیران ہو جاتے تھے کہ اتنے بڑے حضرت ہمارے صحن میں خود ہی کیسے تشریف لائے۔ مولانا یہی جواب دیتے تھے کہ یہ طریقہ ہم کو حضور ﷺ نے سکھایا ہے اور اس کا احیاء اب ہندوستان کے ایک بڑے بزرگ مولانا الیاسؒ نے کیا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جس وقت میر واعظ کشمیری گشت فرماتے تھے تو احباب کو ذکر کی تلقین بھی فرماتے تھے۔

## مولانا محمد قاسم شاہ صاحب بخاریؒ اور تبلیغی جماعت

ایک دفعہ میں مولانا محمد قاسم شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سرینگر چلا گیا۔ مولانا اس وقت مسجد شریف ''سکہ ڈافر'' میں عصر نماز کی ادائیگی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور سلام و مصافحہ کے بعد میں نے مولانا کی مزاج پرسی کی اور اس مقصد کا تذکرہ کیا جس کے لئے میں ان کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے گیا تھا۔ میں نے مولانا بخاریؒ سے پوچھا کہ جب آپ ہندوستان میں زیر تعلیم تھے کیا اس دوران آپ نے مولانا الیاسؒ سے ملاقات کی ہے۔ کیونکہ مولانا کفایت اللہ صاحبؒ جو کہ مولانا محمد قاسم شاہؒ صاحب کے استاد تھے حضرت مولانا الیاسؒ کے نہ صرف مداح تھے بلکہ معاون و مددگار بھی تھے۔ مولانا بخاریؒ نے جواباً فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ مولانا الیاسؒ کی زیارت کی ہے۔ جبکہ میں دہلی میں مولانا کفایت اللہؒ صاحب سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا کو جب دہلی کے مسلمان کسی وقت مجلسِ نکاح وغیرہ میں مدعو کرتے تھے تو مولانا اپنے ساتھ چند طالب علموں کو بھی لیتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے اور ایک دوسرے طالب علم کو اپنے ساتھ لیا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ گھر والے اور پوری مجلس ایک دوسرے بزرگ یعنی مولانا الیاس صاحبؒ کی تشریف آوری کے سلسلے میں بڑی بے تابی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ ہم تعجب میں رہ گئے کہ مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی تشریف آوری کے بعد یہ دوسرے بزرگ کون ہیں جن کے متعلق لوگوں میں اس قدر بیقراری پائی جاتی ہے، آخر ایک نحیف و کمزور مگر خوب صورت قسم کے

Scanned with CamScanner

بزرگ تشریف لائے۔ مولانا کفایت اللہ صاحبؒ اور دیگر سبھی حضرات کھڑے ہوئے اور مولانا الیاس صاحبؒ سے بڑے پرتپاک طریقے سے ملے۔ اس کے بعد نکاح خوانی کی باری آئی۔ مولانا الیاسؒ نے مولانا کفایت اللہؒ سے فرمایا کہ آپ ہی نکاح پڑھائیں، لیکن مولانا کفایت اللہؒ نے نہیں مانا اور بصد اصرار مولانا الیاسؒ سے نکاح خوانی کروائی۔ اب میرے اور مولانا بخاری صاحبؒ کے درمیان ان ہی بزرگوں کے متعلق تذکرہ ہو رہا تھا تو مولانا نے ایک آہ بھری اور فرمایا کہ زمانہ اب ایسے لوگوں کو نہیں دیکھے گا۔ انجمن تبلیغ الاسلام کے ایک کارکن نے مجھے بتایا کہ ہم نے مولانا بخاریؒ سے درخواست کی تھی کہ جس طرح تبلیغی جماعت والے تین دن کی جماعت نکالتے ہیں ہم بھی اسی طرح جماعتیں نکالیں گے مولانا نے فرمایا کہ انجمن والوں کو اپنے ہی مخصوص طریقہ کار کے مطابق تبلیغ دین کا کام انجام دینا چاہیئے اور تبلیغ والوں کی طرح جماعتیں نہیں نکالنی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے توڑ ہو جائے گا۔ اور ایسا کرنا اخلاص کے منافی ہے۔ اس طریقہ کو ان ہی کے ساتھ خاص رہنے دیا جانا چاہیے (اور اگر کسی کو ذوق وشوق ہو تو ان ہی کے ساتھ مل کر جماعت میں جایا کرے۔ بڑی مبارک جماعت ہے اور انبیاءؑ کا طریقہ ہے) یہ مولانا کے کمال اخلاص کو ظاہر کرتا ہے۔

## کشمیر میں آنے والی پہلی اور دوسری جماعت

جس طرح ابتداء میں امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ سے پہلے ہی بلبل شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لا چکے تھے عین اسی طرح حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ سے پہلے صوفی عثمانؒ نام کے ایک بزرگ بستی نظام الدین اولیاء سے تشریف لا چکے تھے۔ ان کو حضرت جی دوم حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب نے کشمیر میں ایک جماعت کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا۔ صوفی عثمان صاحبؒ غالباً بنگال کے رہنے والے تھے۔ اور تبلیغی مرکز نظام الدین میں ایک جانے پہچانے ذمہ دار تھے۔ ان کے ساتھ کانپور

Scanned with CamScanner

کے ایک معروف تبلیغی کارکن اور اس شہر کے موجودہ امیر غلام مصطفیٰ صاحب اور اسی شہر کے ایک اور نوجوان بھی تھے۔ اس کے علاوہ باقی احباب کا حال معلوم نہیں۔ ایک تبلیغی سفر میں کانپور شہر کے امیر حاجی غلام مصطفیٰ صاحب نے مجھے بتایا کہ مولانا محمد یوسفؒ جو کہ مولانا الیاسؒ کے بعد دعوت و تبلیغ کے دوسرے امیر تھے اور خود مولانا الیاسؒ کے فرزند تھے۔ بہت عرصہ سے مرکز نظام الدین دہلی میں اس بات پر زور دے رہے تھے کہ کشمیر کے لئے کوئی جماعت تیار ہو جائے۔ آخر کار جماعت تیار ہو گئی اور حضرت جی دوم مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جماعت کو کشمیر کے لئے روانہ کیا۔ اس جماعت نے کشمیر میں کام کیا اور لوگوں نے جماعتوں میں نکلنے کے ارادے کئے لیکن نقد کوئی ایسا آدمی تیار نہیں ہوا جو کشمیر سے دہلی جاتا۔ حاجی غلام مصطفیٰ صاحب نے بتایا جب ہم اپنا وقت پورا کر کے نظام الدین پہنچے تو حضرت جی مولانا محمد یوسف نے ہمیں قریب بلا کر پوچھا کہ بتاؤ بھائی کشمیر کا سفر کیسا رہا۔ ہم نے عرض کیا کہ کشمیر کے لوگ تو بڑے محبتی ہیں لیکن آج کل چونکہ وہاں پر کام کا موسم ہے لہٰذا ان لوگوں نے تو ارادے کئے اور کہا کہ وہ سیزن (Season) ختم ہونے پر نظام الدین آئیں گے لیکن سردست کوئی آدمی تیار نہیں ہوا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی ٹھیک کہا ہے۔ اگر آپ بھی اپنے کاروبار کا سیزن قربان کر کے کشمیر جاتے تو وہ لوگ بھی اپنے کاروبار کا سیزن قربان کر کے یہاں کی حاضری دیتے۔ چونکہ آپ اپنے کام کے سیزن میں وہاں جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے لہٰذا وہ بھی کام کا سیزن قربان کر کے یہاں آنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس کے بعد تقریباً ۱۹۶۰ء کے بعد مرکز سے جماعتوں نے کشمیر کا رخ کیا حضرت منشی اللہ دتاؒ صاحب کو جو مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء میں سے تھے کشمیر کے لئے روانہ کیا گیا۔ انھوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں بڑے بڑے مجاھدے کئے ہیں۔ تبلیغی دنیا میں حضرت منشی اللہ دتاؒ صاحب سے بڑھ کر رونے والا ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے۔ سوانح حضرت جی میں بھی منشی اللہ دتا صاحب کا تذکرہ آیا ہے کہ جب وہ حضرت

Scanned with CamScanner

جیؒ دوم کے زمانہ میں افریقہ کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضرت جیؒ ننگے پاؤں ان کو الوداع کرنے کے لئے ان کے ساتھ باہر تک تشریف لائے اور منشی صاحب کو الوداع کرتے ہوئے کہا کہ منشی جی ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ منشی جیؒ مرکز نظام الدین میں مؤذن بھی تھے۔ اور وہاں کے مشوروں میں ان کو شریک بھی کیا جاتا تھا۔ ان کے چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ ان کی رہائش گاہ مرکز نظام الدین سے قریب ہی تھی۔ دن بھر مرکز نظام الدین میں ہی رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی بنگلہ والی مسجد کے محراب میں خاصی دیر تک اکیلے روتے تھے۔ زبردست صاحب یقین اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ ۱۹۷۴ء تک کشمیر تشریف لاتے رہے جس کی وجہ سے منشی صاحبؒ کو کشمیریوں کے ساتھ ایک خاص لگاؤ پیدا ہوا تھا۔ کشمیر سے جو جماعتیں مرکز نظام الدین جایا کرتی تھیں۔ حضرتنا منشی جیؒ بذات خود ان کی نگرانی اور خبر گیری فرماتے تھے۔ اور کشمیری بھی زیادہ تر ان ہی کے ساتھ موانست رکھتے تھے۔

## حضرت منشی صاحبؒ کی نظر انتخاب اور قصبہ بارہمولہ

منشی صاحبؒ نے اگرچہ اپنے تبلیغی اسفار میں تمام کشمیر کا دورہ فرمایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بارہمولہ والوں نے سب سے پہلے اس دعوت پر لبیک کہا اور لبیک کہنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ شامل تھے جو محنت و مزدوری اور دیگر پیشوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ انتخاب میں ایک وجہ مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی بھی بنی۔ تبلیغی جماعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب جماعت کسی نئی بستی میں جائے تو وہاں کے علماء و صلحاء کی خدمت میں بھی حاضری دے کر ان سے دعا کی درخواست کرے۔ اسی جذبے کے تحت منشی اللہ دتا صاحبؒ قصبہ بارہمولہ میں پہنچ کر مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ سے ملاقی ہوئے۔ مولاناؒ نے فوراً اس کام کی تائید فرمائی۔ منشی اللہ دتا صاحبؒ نے بارہمولہ چوک کے قریب ہی بس اسٹینڈ میں جوان دنوں تاشقند بس اسٹینڈ کہلاتا تھا ایک بڑا

Scanned with CamScanner

اجتماع کرایا۔ مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب اس میں مہمان خصوصی تھے اور انہوں نے عصر سے لے کر مغرب تک مفصل بیان فرمایا اور وہ تمام واقعات بیان کئے جو تلاش مرشد کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آپ کے درمیان پیش آئے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل آپ کو ملفوظات نامی کتاب میں ملے گی جو احقر نے مولانا کی سوانح حیات کے سلسلے میں ۱۹۷۶ء میں مرتب کی ہے۔

حضرت مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ نے اس تبلیغی تحریک کی بھرپور تائید فرمائی۔ بارہمولہ کے عوام نے جب مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کی تبلیغ کے ساتھ عملی تائید کو دیکھا تو ان کو اس تحریک کے متعلق کوئی شک وشبہ نہ رہا۔ مولانا کی تائید تبلیغی جماعت کے لئے ایک رحمت ثابت ہوگئی مولانا یہ بھی چاہتے تھے کہ مولوی حبیب اللہ صاحبؒ امام جامع مسجد امیر شاہ جو کہ مولانا کے ایک شاگرد رشید تھے ان کے بعد تبلیغی جماعت کی عملی سرپرستی فرمائیں۔ مولوی حبیب اللہ صاحب اگرچہ جماعت اسلامی کے ساتھ پہلے سے ہی منسلک تھے لیکن عملی طور پر دعوت وتبلیغ کا مرکز وہی مسجد تھی۔ جسکا موجودہ نام مسجد بیت المکرم رکھا گیا ہے اور جس میں امامت کے فرائض مولوی حبیب اللہ صاحبؒ انجام دیتے تھے۔ اس اعتبار سے بھی مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ ان کے یہ شاگرد رشید بھی تبلیغ کے ساتھ منسلک رہیں مگر تھوڑے سے فکری اختلاف کی بنیاد پر (جس کی وجہ غالباً غلط فہمی رہی ہے) مولوی حبیب اللہ صاحبؒ تبلیغی جماعت کے بلکل قریب آنے کے باوجود بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ پوری طرح منسلک نہ ہو سکے۔ حالانکہ حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ کے زمانے میں مولوی حبیب اللہ صاحبؒ نے تبلیغی جماعت میں عملی شرکت بھی فرمائی ہے۔ اور کئی بار اپنے بیانات میں تبلیغی تحریک کی تائید کے علاوہ اس جماعت کے متعلق اپنے مبشرات بھی بیان فرمائے۔ بہرحال توحیدی واصلاحی نقطۂ نگاہ کے اعتبار سے مولوی حبیب اللہ صاحبؒ تبلیغی جماعت کے ہمیشہ مؤید رہے۔ مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ تبلیغی احباب کے سامنے بیان فرماتے تھے کہ

Scanned with CamScanner

جن دنوں میں نے بارہمولہ میں بدعات کے خلاف تحریک چلائی ان دنوں اس قسم کی کوئی جماعت نہیں تھی اور اب جب کہ یہ جماعت یہاں وجود میں آئی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اس جماعت کے ساتھ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ کاش مجھے وہ پہلی والی جوانی پھر ملتی تو میں کندھے پر بستر ہ اٹھا کر اس جماعت کیساتھ در در پھرتا۔ گویا جب جوانی تھی تب یہاں تبلیغی تحریک نہیں تھی اور جب تبلیغی تحریک وجود میں آ گئی تب جوانی رخصت ہو گئی تھی اور اس بات پر کف افسوس ملتے تھے۔ تبلیغی جماعت جس طرح احیائے سنت پر زور دیتی تھی۔ مولانا اس کے دل سے متمنی تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے مولانا سے درخواست کی کہ عصری تحریکات میں سے کس تحریک کا ساتھ دیا جائے۔ فرمایا خود جا کر دیکھو جہاں تمہیں اللہ اللہ پکارنے والے لوگ نظر آئیں ان ہی کا ساتھ دو۔ مولانا کا اشارہ تبلیغی جماعت کے متعلق تھا کیونکہ لوگ اس کو اللہ والی جماعت بھی کہتے تھے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اس قسم کی جماعت تو اللہ والی جماعت ہے۔ مولانا نے فرمایا پھر اسی جماعت کے ساتھ ملو۔ بعد میں یہ شخص ایک دوسری عصری تحریک سے کٹ کر تبلیغی کارکن بن گیا۔ جن دنوں مسجد امیر شاہ جس کو آج کل بیت المکرّم کہتے ہیں تبلیغی جماعت کا مرکز تھی۔ ان دنوں مولاناؒ ابھی زندہ تھے۔ اور جب جماعتیں سرکاری بس اسٹینڈ سے دہلی کے لئے روانہ کر دی جاتی تھیں۔ تو مولانا کو الوداعی دعا کرنے کے لئے تبلیغی کارکن خاص طور سے دعوت دیتے اور مولانا سے دعا کروا کر جماعتوں کو دہلی نظام الدین کے لئے روانہ کرتے۔ اس طرح مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کشمیر میں حضرات علماء میں سے میر واعظ کشمیر کے بعد وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے عملاً تبلیغی جماعت کی تائید اور سرپرستی فرمائی۔

Scanned with CamScanner

**ایک ضروری اطلاع**

تبلیغی تحریک کے متعلق مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کے اور بہت سے واقعات ان کی سوانح حیات میں درج ہیں جو اُس کتاب کی طباعت کے وقت منظر عام پر آئیں گے ۔جو غالباً راہ نجات کا ایک خصوصی شمارہ ہوگا۔(انشاءاللہ)

## کشمیر کا پہلا تبلیغی اجتماع

حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ نے کشمیر میں پہلا اجتماع بارہمولہ چوک کے متصل (اس وقت کے بس اسٹینڈ جو تاشقند بس اسٹینڈ کے نام سے مشہور تھا) میں منعقد کرایا۔ یہ تقریباً ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے۔اس اجتماع میں جو قصبہ بارہمولہ کا ایک تاریخی اجتماع تھا ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے ان درجنوں نوجوانوں اور بزرگوں نے زبردست کوشش کی جو گذشتہ چند سالوں سے فکری اور روحانی طور تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہو چکے تھے۔ان نوجوانوں میں ایک سرخیل نوجوان حضرتنا امیر صاحب دامت برکاتہم جو اس زمانے میں پرویز صاحب کے نام سے مشہور تھے پیش پیش تھے۔اس اجتماع میں حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ نے اعلان فرمایا کہ میں نے کشمیر کے دو احباب کو اپنی خلافت سے نوازا اور برسر اجلاس دونوں بزرگوں کو لوگوں کے سامنے اجتماع گاہ میں کھڑا کر کے ان کا تعارف کرایا۔ان دو بزرگوں میں سے ایک حضرت پیر شمس الدین صاحب لولابی مدظلہ اور دوسرے حضرت ولی محمد شاہ صاحب سوپوری مدظلہ تھے۔اپنی مفصل تقریر میں منشی اللہ دتا صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد صرف خدا کی رضا ہے۔ہمیں نہ ووٹ چاہیئے اور نہ نوٹ۔نہ ڈنڈا چاہیئے اور نہ جھنڈا۔ان الفاظ کے متعلق جماعت اسلامی کے کارکنوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں جو ان دنوں ووٹنگ میں حصہ لینے کے لئے پر تول رہے تھے۔ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہمیں بالفعل

Scanned with CamScanner

ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیئے اور اسلامی حکومت کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے۔ ان حضرات نے ان الفاظ کو اپنی تحریک کا توڑ سمجھا اور کشمیر میں یہیں سے تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنے فکری اختلاف کا آغاز کیا۔ ان لوگوں نے عوام میں اس بات کا تاثُر دینے کی کوشش کی کہ ان تبلیغ والوں کے پاس دین کا ایک محدود تصور ہے اور جماعت اسلامی والوں کے پاس دین کا ایک ہمہ گیر اور وسیع تصور ہے۔ یہ تبلیغ والے دین کی چند آسان باتوں پر زور دیتے ہیں اور جہاں اندیشہ زیاں ہوتا ہے وہاں یہ لوگ حق پر انگلی رکھتے ہیں اور علامہ اقبالؒ کا یہ شعر گنگناتے تھے ؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پھر بہت دنوں کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ منشی اللہ دتا صاحبؒ کے جن الفاظ کو یہ لوگ اپنی ہتک اور ضد سمجھتے تھے ان الفاظ کے پہلے اعلان کنندہ (Announcer) مولانا مودودی صاحبؒ ہی تھے جو اس وقت تک باقید حیات تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ جس زمانے میں مولانا مودودی صاحبؒ نے یہ الفاظ تبلیغی جماعت کے متعلق کہے تھے اس وقت تک انھوں نے جماعت اسلامی قائم نہیں کی تھی۔ بلکہ ایک آزاد مصنف اور دینی مفکر کی حیثیت سے منصۂ شہود پر آچکے تھے اور ایک دفعہ جب تبلیغی تحریک کے پہلے میدان یعنی علاقہ میوات میں مولانا الیاسؒ کی حیات میں ان کے ساتھ ان کے کام کے حالات دیکھنے کے لئے گئے تھے۔ وہاں پر دینی نقل وحرکت کو دیکھ کر بہت متاثر ہو چکے تھے اور اس تحریک کو صحابہؓ کے ساتھ جوڑ کر اپنے مشاہدات میں لکھا تھا کہ صحابہ کرامؓ بھی اپنے زمانے میں اسی طرح سے بغیر نمود ونمائش کے دینی محنت میں مصروف رہتے تھے چنانچہ اُن کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔

''یہ قابل قدر نتائج جو گنتی کے چند برسوں میں برآمد ہوئے ہیں محض ایک مخلص آدمی کی محنت کا ثمرہ

Scanned with CamScanner

ہے۔ وہاں نہ کوئی کمیٹی ہے نہ اس تحریک کا کوئی جداگانہ نام ہے۔ نہ اس کے ممبر بھرتی کئے جاتے ہیں۔ نہ کوئی امیر و رئیس پشت پر ہے۔ نہ کوئی اخبار نکلتا ہے۔ نہ قوائد پریڈ اور یونیفارم اور باجوں و جھنڈوں کے نمائشی مظاہرے ہوتے ہیں۔ نہ اپنے کارناموں کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ ایک سیدھا سا مولوی مسجد میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے اس غریب کو نمائش اور پروپیگنڈہ کے جدید مغربی طریقے بلکل نہیں آتے۔ نہ اس نے آج تک اس کی ضرورت ہی محسوس کی کہ اس کے کاموں کا ڈھول دنیا میں پیٹا جائے ایک خالص دینی جذبہ ہے جو اس سے یہ کام لے رہا ہے۔ اور ایک دُھن ہے جس میں وہ رات دن لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اکیلے آدمی نے جو ٹھوس کام کیا ہے وہ ہماران بڑی بڑی انجمنوں اوران بلند بانگ تحریکوں سے آج تک بن نہ آیا جن کے نام آپ رات دن اخباروں میں سنتے رہتے ہیں۔ حقیقتاً اس نوعیت کی تحریک ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یا تو حضرت شیخ احمد مُجدّدِ سرہندیؒ نے اٹھائی تھی یا حضرت سید احمد بریلویؒ نے اس کا احیاء کیا، یا اب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کی توفیق بخشی ہے"

"(نوٹ) [مذکورہ عبارت مرحوم مولانا مودودیؒ صاحب نے اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن میں "ایک اہم دینی تحریک" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ پھر اسی مضمون کو مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے دوبارہ اپنی کتاب تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات کے صفحہ ۲۸ اور ۲۹ پر دوبارہ شائع کیا جو الفرقان بک ڈپو کی طرف سے شائع شدہ ہے اور یہ عبارت اس سے ماخوذ ہے]

نہ معلوم کہ مولانا مودودی صاحبؒ کے ان الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر منشی اللہ دتا صاحبؒ کے ان الفاظ کو ان کے ساتھ جوڑا جائے جو انھوں نے کشمیر کے پہلے بڑے تبلیغی اجتماع میں ارشاد فرمائے تھے تو اختلاف کی گنجائش کہاں سے نکلتی ہے؟ واقعہ یوں ہے کہ تبلیغ والے اپنی ذات کے اعتبار سے تو حکومت کی خواہش سے بالکل بے نیاز ہیں اور فکری اعتبار سے دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ پورے عالم میں ایک صالح اسلامی نظام قائم ہو لیکن اس کے لئے ایک ہمہ گیر تحریک

Scanned with CamScanner

چلانے سے پہلے اس بات کا صحیح اندازہ لگانا ضروری ہے کہ آیا ہم اپنی ایمانی اور اسلامی جدوجہد سے زمیں اس حد تک ہموار کر چکے ہیں کہ اس پر اسلامی چٹ (LABEL) لگائی جائے یا ہم گندم نما جو فروش ہیں۔ میرے ناقص خیال میں مولانا مودودی صاحبؒ بھی اسی نظریہ کے قائل تھے اور مولانا الیاسؒ بھی اسی بات کے قائل تھے کہ سیاست سے پہلے دعوت رکھی جائے۔ جس سیاست کی بنیاد دعوت پر نہ ہو اس کی مثال شاخ نازک پر آشیانہ بنانے کے مترادف ہے جو ہمیشہ ناپائدار ہوتا ہے۔ لہٰذا اب موجودہ حالات میں علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار زیادہ موزون ہیں ؎

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
تا خلافت کی بنا ہو پھر جہاں میں استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

جب تک خلافت کی صفت مسلمانوں میں پیدا نہ ہو تب تک خلافت کی بھیک مانگنا خلافِ مصلحت ہے اسی لئے علامہ اقبالؒ کی روح مضطرب آج بھی ہمیں پکار رہی ہے کہ ؎

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی
مرا از شکستن چناں عار ناید

کہ از دیگراں خواستن مومیائی

آخری شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے اپنی ہڈی کے ٹوٹنے سے اتنی شرمندگی نہیں ہوتی ہے جتنی کہ ایک اجنبی سے مومیا مانگنے سے اٹھانی پڑتی ہے ''مومیا'' ایک دوائی ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے عمل میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ بات کو طول دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن ایک فکری اختلاف کی وضاحت ضروری تھی ورنہ پہلے تاریخی اجتماع کی مختصر تاریخ بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا۔ کوئی ذاتی اختلاف نہیں بلکہ فکری اختلاف ہے ۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد پورے عالم میں پورے دین کو زندہ کرنا ہے لیکن اس کے لئے ان کے پاس دینی دعوت کے ساتھ ساتھ ایک دینی حکمت بھی ہے۔

## کشمیر میں دعوت وتبلیغ کا پہلا امیر

محترم المقام پرویز احمد خان صاحب دامت برکاتہم جو آج کل امیر احمد خان صاحب کے نام سے معروف ہیں ابتداء سے تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام نظام الرحمن تھا جو محکمہ مال کے ایک بڑے عہدہ دار تھے۔ اس طرح ان کی ابتدائی پرورش ایک نواب زادے کی طرح ہوئی۔ آپ کی والدہ بھی نہایت ہی پارسا اور خدا رسیدہ خاتون تھی گھر کا ماحول علمی تھا اور آپ نے کالج کے ذریعے اس زمانے میں گریجویشن پاس کی تھی۔ حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ کی بار ہمولہ تشریف آوری کے بعد آپ اس تحریک کے ساتھ فکری اور عملی طور پر وابستہ ہوگئے اور حضرت منشی اللہ دتاؒ صاحب کی نظر انتخاب اور تبلیغی کارکنوں کی دلی خواہش کے تحت امیر جماعت کی حیثیت سے نمودار ہوگئے۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک امیرِ کارواں کے اندر دل نوازی کا جو وصف ہونا چاہیئے وہ آپ میں

Scanned with CamScanner

قدرت کی طرف سے پہلے ہی سے موجود تھا۔ اور بزرگوں کی نظر انتخاب نے یہاں سونے پر سہاگے کا کام دیا اور تب سے اب تک آپ اس جماعت کے امیرِ کاروان کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اس زمانے کا ایک گریجویٹ ہونے کی حیثیت سے آپ اس وقت کسی بڑے دنیاوی عہدے پر مامور ہو سکتے تھے لیکن آپ نے سرکاری نوکری کو پسند نہیں کیا اور اس طرح اسی فقیرانہ زندگی پر اپنے نفس کو راضی کیا۔ خدا آپ کی زندگی میں برکت نصیب فرمائے اور تا دیر آپ کا سایہ ہم پر قائم رکھے۔ (آمین)

## مسجد بیت المکرّم سے مسجد الرشاد تک

مرحوم مولوی حبیب اللہ شاہ صاحبؒ جو کہ اس مسجد شریف کے امام و خطیب تھے اگرچہ فکری طور پر ابتداً جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے تھے لیکن بعد میں تبلیغی جماعت کے آنے کے بعد انہوں نے اپنے مرشد حضرت مولانا سید عبدالولی شاہ صاحبؒ کے حکم سے دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی بھرپور شرکت فرمائی حتیٰ کہ لنگر کے لئے اس زمانے میں مبلغ سو روپے بخوشی عنایت فرما کر اس کار خیر کی ابتدا بھی فرمائی اور باہر جانے والی جماعت کے ساتھ بیرونی ریاست چلّے میں بھی شرکت فرمائی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء دیوبند سے ملاقات بھی فرمائی اور ذاتی طور پر بھی شرعی وضع قطع، مسنون لباس اور معمولات و ذکر اذکار نیز اکابر دیوبند کی تصنیفات کا اکثر مطالعہ فرماتے تھے تاہم اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر جماعت اسلامی کے سرگرم احباب و زعماء کے ساتھ بھی برابر ان کا رابطہ قائم تھا جس کی وجہ سے تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کے درمیان جو فکر و عمل کا کچھ اختلاف پایا جاتا ہے مولاناؒ اس کو عبور کر کے اپنے متعلق کوئی واضح موقف یکسوئی کے ساتھ اختیار نہ کر سکے اور اپنے جمعہ کے خطبات میں جو کہ بلا شک نہایت مفید و ایمان افروز ہوا کرتے تھے کھل کر دعوت و تبلیغ کی عالمی فکر کا تعارف اور اس عظیم محنت کی تائید و نصرت نہ فرما سکے جس

Scanned with CamScanner

کی وجہ سے تبلیغی کارکنوں کو جماعت اسلامی کے چند شدت پسند افراد کی طرف سے اس مرکزی مسجد میں مسلسل ایک ایسی صورتِ حال سے سابقہ پڑتا رہا جس سے وہ ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے نتیجتاً دونوں جماعتوں میں سخت فکری ٹکراؤ شروع ہو گیا جو رفتہ رفتہ ناعاقبت اندیشی سے عملی ٹکراؤ تک جا پہنچا چنانچہ اسی دوران کچھ لوگوں نے امیر صاحب کی ہدایت یا با قاعدہ مشورہ کے بغیر ہی اپنے طور پر مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم کے ساتھ اختلاف کر کے مسجد بیت المکرم میں ہی دوسری جماعت قائم کر لی جس پر پولیس کو بھی کئی مرتبہ مداخلت کرنی پڑی۔ اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے قصبہ بارہمولہ کے تبلیغی کارکنوں نے ایک دفعہ مسجد عقت بارہمولہ میں مشورہ کیا اور یہ بات طے کی کہ تبلیغی جماعت کا ایک علاحدہ مرکز تعمیر کیا جائے چنانچہ بعد میں جناب محمد مقبول مہجو صاحب نے زمین کا ایک قطعہ اس مرکز کی تعمیر کے لئے وقف کیا اور اس طرح ۵ جون ۱۹۸۱ء کو اس مرکز کی داغ بیل ڈالی گئی اور اسی مرکز کو آجکل لوگ مسجد الرشاد کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ نام اس وقت کے امیر تبلیغی جماعت مولانا انعام الحسنؒ نے ارشاد فرمایا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ اس مرکز کی تعمیر میں جناب مہجو صاحب نے جس طرح مال و جان کی قربانی لگائی وہ انہی کا حصہ ہے۔ خدا اس کو قبول فرمائے۔ (آمین)

## دورِ ابتلا

کشمیر میں اپنے رواں سفر کے دوران تبلیغی جماعت کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا انکی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کہ تبلیغی جماعت والے وہابی لوگ ہیں۔ اور یہ بزرگان دین کو نہیں مانتے ہیں۔

۲۔ جماعت اسلامی کی طرف سے یہ اشکال کہ تبلیغی جماعت والوں کے پاس دین کا ایک محدود تصور

Scanned with CamScanner

ہے۔ انکے کے پاس دین کا ہمہ گیر تصور نہیں ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی تبلیغی جماعت سے پہلے ہی کشمیر میں منظم ہو چکی تھی حالانکہ برصغیر میں تبلیغی جماعت پہلے وجود میں آئی اور جماعت اسلامی بعد میں۔ جہاں جہاں جماعت اسلامی کے یونٹ منظم ہو چکے تھے وہاں وہاں انھوں نے اندر ہی اندر سے اس بات کو چلایا۔ جماعت اسلامی کے پاس پریس اور ذرائع ابلاغ کا ایک منظم سسٹم تھا جبکہ تبلیغ والے قلم سے زیادہ قدم کی طرف زور دیتے تھے۔ لیکن اس عالم اسباب میں چونکہ ہر چیز اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے لہٰذا ان کا انداز بیان بیکار ثابت نہ ہوا اور یہ سوچ اور اپروچ بہت سارے نوجوانوں پر اثر انداز ہوگئی۔ اور وہ تبلیغ کے قریب نہ آسکے۔

۳۔ مسجد امیر شاہ (موجودہ بیت المکرّم) میں دو مکاتبِ فکر یعنی جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کی باہمی فکری ناموافقت جو بعد میں عملی ٹکراؤ میں تبدیل ہوگئی۔ اور ان دو مکاتب فکر کے درمیان دوری کا سبب بن گئی۔

پہلا اشکال ہمارے بریلوی بھائیوں کی پیداوار تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں جتنے لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہوگئے ان میں سے ننانوے فی صد لوگ اس بات کو بھی نہیں جانتے تھے کہ وہابی کون ہوتے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے خدا کے چند برگزیدہ بندوں کو یہاں تشریف لاتے دیکھا جو ایمان و یقین اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے تھے جو لوگوں کا تعلق خدا اور مسجد کے ساتھ جوڑنا چاہتے تھے جو کسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنا تو درکنار بلکہ ہوا تک بھی نہ دیتے تھے جبکہ ان کے خلاف کافر، وہابی، بداعتقاد اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرنے والے اور دیگر الزامات کے پوسٹر شائع کیے گئے۔ جو شخص کھلے دل سے فضائل اعمال کا مطالعہ کرے گا وہ کبھی بھی ان اعتراضات کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ دوسرا اشکال جو ہمارے جماعت اسلامی کے بھائیوں نے اندر اندر سے پھیلایا اس پر بجز افسوس کرنے کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ دین اسلام ایک مکمل نظام زندگی

Scanned with CamScanner

کا نام ہے۔ اللہ کے جن نیک بندوں نے اس تبلیغی کام کو موجودہ شکل میں پیش کیا اُن کے متعلق ہمارے یہ اسلامی بھائی یقین رکھیں کہ ان کے پاس دین اسلام کا ایک مکمل اور جامع تصور ہے اس تصور کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے جس ایمان، عمل اور دعوت کی ضرورت ہے وہ ابھی تک اگر چہ بالکل مفقود بھی نہیں لیکن مکمل طریقے سے موجود بھی نہیں۔ جبکہ خلافت یا بہ الفاظ دیگر اسلامی حکومت انہی اعمال کے ساتھ مشروط ہے۔ جب شرط ہی مفقود ہو تو مشروط کا حاصل ہونا محال ہے۔ اس معاملے میں جب تک مسلمان اپنے اندر خلافت والے اوصاف پیدا نہیں کریں گے تب تک اللہ تعالیٰ دنیا کے لوگوں کی گردنیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں دے گا لہٰذا یہ اشکال بھی غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ تیسری آزمائش جس کا تبلیغ والوں کو سامنا کرنا پڑا مسجد امبر شاہ یا موجودہ بیت المکرم کا وہ قضیہ جوان دو جماعتوں کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا اس مسجد سے اپنی تبلیغی سرگرمیاں موقوف کرنے کے بعد تبلیغی کارکنوں کو کئی دیگر مساجد کی خاک چھاننا پڑی۔ مسجد نور باغ، مسجد ککر حمام، جامع قدیم بارہمولہ، مسجد نور الھدیٰ وہ مساجد ہیں جن کو یکے بعد دیگرے تبلیغی کارکنوں کو اپنی محنتوں کا مرکز بنانا پڑا لیکن اس صحرا نوردی میں کہیں وہ سکون حاصل نہ ہو سکا جس کی اس اہم دعوت اور اس کے کارکنوں کو سخت ضرورت تھی۔ اس بھنور سے نکالنے کے لئے مسجد الرشاد کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا کچھ احوال بیان کیا گیا۔ لیکن جب تبلیغی سرگرمیاں مسجد الرشاد مین منتقل ہوئیں تو اسی اثنا میں کشمیر میں عسکری تحریکات کا دور شروع ہوا یہ تحریک کشمیر کے تمام ادارہ جات پر اثر انداز ہوئی ۔ کشمیر میں پکڑ دھکڑ کا ایک تلاطم خیز دور شروع ہوا اور سال ۱۹۹۰ء سے کشمیر کی تاریخ میں ایک ایسا دور شروع ہوا جس کی صدائے بازگشت تمام عالم میں سنائی دینے لگی اس کے کچھ اثرات تبلیغی سرگرمیوں پر بھی مرتب ہوئے اور اسی جنگی دور میں جماعتوں کا سفر کرنا کوہِ فرہاد سے جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔ مرکز نظام الدین دہلی اور ہندوستان کے دوسرے تبلیغی مراکز سے جو جماعتیں کشمیر

Scanned with CamScanner

آتیں تھیں ان کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا کشمیر سے اگرچہ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۳ء تک باہر جانے والی جماعتوں کی آمد و رفت قدرے متاثر ہوئی لیکن ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۰ء تک بے شمار جماعتیں ہندوستان کے مختلف اطراف میں چلی گئیں لیکن اب تبلیغی اکابر زیادہ تر اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ کشمیر کی جماعتیں کشمیر کے دور افتادہ علاقوں میں ہی تبلیغ کا کام کریں تا کہ ہندوستان سے جماعتیں نہ آنے کی وجہ سے جو خلا کشمیر میں پیدا ہوا ہے اس کو پُر کیا جائے الحمدللہ اب کشمیر کی جماعتیں کشمیر میں بڑی فکر اور لگن کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔

## کشمیر کا دوسرا تاریخی اجتماع

بارہمولہ کے تاشقند بس اڈہ میں پہلا اجتماع منعقد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کشمیر کے جس دوسرے علاقہ کو پسند کیا وہ علاقہ نارواؤ تھا جو حضرت تا منشی اللہ دتاؒ کی محنت کا دوسرا میدان بنا۔ منشی صاحب جب کبھی تشریف لائے تو اپنے تمام تبلیغی اسفار میں علاقہ نارواؤ کا دورہ فرماتے رہے۔ وہ علاقہ نارواؤ کو کشمیر کا میوات قرار دیتے تھے غالباً جس طرح علاقہ میوات کے لوگ بہت ہی سادہ مزاج تھے اسی کا عکس حضرت منشی صاحبؒ کو اس علاقہ میں نظر آتا تھا۔ علاقہ نارواؤ میں ان دنوں جتنی مساجد تھیں منشی صاحبؒ نے تقریباً سبھی مساجد میں بیانات فرمائے مجھے اگرچہ کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کی ساری باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن اتنا یاد ہے کہ وہ کلمہ توحید کو کھول کر بیان فرماتے تھے اور غیر اللہ کی ایسی نفی فرماتے تھے کہ سامعین بھی دنیا کی مادی صورتوں کے چکر سے نکل کر ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ منشی صاحبؒ کی جو آخر پر دعا کی مجلس ہوتی تھی وہ البتہ اب نظر نہیں آتی ہے۔ جونہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے آنکھوں سے ایک نہ رکنے والا آنسوؤں کا سمندر بہنے لگتا تھا اور آمین کرنے والے بھی کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے تھے جہاں اس مادی دنیا کی بلکل یاد نہیں رہتی تھی منشی صاحبؒ کی جماعت میں زبردست نظم وضبط (Disipline) ہوتا تھا۔ جماعت کے اصولوں سے

Scanned with CamScanner

کوئی شخص سر مو تجاوز نہیں کر سکتا تھا ان کے ساتھ ذاکرین کی ایسی جماعت ہوتی تھی جو رات کی تنہائیوں میں والہانہ انداز میں ذکر میں مشغول ہوتی تھی شاید منشی صاحبؒ کی اسی شفقت اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ کشمیر کے دوسرے اجتماع کے لئے اللہ تعالیٰ نے فتحگڈھ ناروا ؤ کے اس قطعہ زمین کو قبول فرمایا جہاں آج مسجد نور تعمیر ہوئی ہے (اس مسجد کا نام محترم امیر احمد خان صاحب نے تجویز فرمایا) اور جس کا خاص مقصد علاقہ ناروا ؤ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکزی کردار نبھانا ہے اس مسجد کی سنگ بنیاد ٹھیک اسی جگہ تقریباً تیس سال کے بعد رکھی گئی جہاں کشمیر کا دوسرا تبلیغی اجتماع ہوا تھا اس سے پہلے صرف تاشقند اڈہ بارہمولہ میں منشی صاحب نے اجتماع کا بندوبست کرایا تھا فتحگڈھ نارواؤ کے اس اجتماع میں اس وقت اسلام آباد کا ایک آدمی ، سرینگر کی ایک جماعت جس کے امیر ظہور احمد انجینئر صاحب تھے، قصبہ بارہمولہ کے تبلیغی احباب کا پورا گروپ بونیار اوڑی کے چند احباب اور کچھ دیگر احباب شریک ہوئے مغرب کا بیان اگر چہ مولوی محمد یوسف شاہ صاحبؒ جو علاقہ ناروا ؤ کے معزز آدمی مانے جاتے تھے کے متعلق طے ہوا تھا لیکن وہ نامعلوم وجوہات کی بنا پر مغرب سے پہلے ہی چلے گئے اس لئے ان کی جگہ ماسٹر عبدالرشید وانی صاحب بارہمولہ والے کو پُر کرنا پڑی اور فجر کا بیان غلام محمد وانی صاحب چیرہ داری نے کیا۔ تشکیل ہوئی اور احباب دہلی نظام الدین کے لئے تشکیل کئے گئے اسی اجتماع میں میں نے بھی نظام الدین کے لئے نام لکھایا ساری جامع مسجد بھری پڑی تھی یہ اجتماع بڑا پرسوز، سادہ اور اپنی نوعیت کا پہلا اجتماع تھا۔ خدمت کی خاص ذمہ داری مرحوم غلام رسول صاحب (جو کہ فوروے ہوٹل والے کے نام سے جانے جاتے تھے) کے سپرد تھی زر طعام فی کس پانچ روپے ادا کرنے پڑے۔

## بونیار کے دو اجتماع

فتحگڈھ کے اجتماع کے بعد دو بڑے اجتماعات کے لئے بونیار اوڑی کی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے قبول

Scanned with CamScanner

فرمایا ایک اجتماع مورخہ ۱۲۔۱۳۔۱۴ جون مطابق جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء ہوا۔ دوسرا اجتماع بھی اسی کے قریب ہوا۔ ان اجتماعات میں کشمیر کے مختلف اطراف سے آئے ہوئے لوگوں نے شرکت کی۔ پونچھ جموں کی ایک جماعت بھی تشریف لائی دوسرے اجتماع میں حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈوی خلیفہ حضرت منشی صاحبؒ بھی تشریف فرما ہوئے ان کے ہمراہ عرب کے چند احباب بھی تھے۔ اس اجتماع میں کشمیر کے ایک بزرگ عالم دین مولانا نورالدین صاحبؒ ترال اسلام آباد بھی شریک ہوئے۔ موضع بونیار کے چند بزرگوں نے بڑی جان فشانی سے اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں جن میں حاجی عبدالغنی لون صاحب مرحوم، غلام احمد بٹ صاحب مرحوم اور غلام محمد جو صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس اجتماع میں مرحوم حاجی غلام رسول ڈار صاحبؒ (بانی دارالعلوم سوپور) نے بھی بیان فرمایا جو بڑا ہی پرسوز اور ولولہ انگیز تھا۔ واقعی ڈار صاحب ایک مخلص تبلیغی کارکن تھے جنہوں نے بعد میں ایک عظیم اسلامی تعلیمی مرکز دارالعلوم سوپور کی بنیاد ڈالی اور اس کے لئے اپنا ایک بہت بڑا باغ وقف کیا۔ بونیار کے اس اجتماع سے کئی جماعتیں چلوں اور عشروں کے لئے اللہ کے راستے میں نکلیں۔ دونوں تاریخی اجتماع بونیار ہائی اسکول (جواب ہائر سکنڈری ہے) کے صحن میں منعقد ہوئے۔

## سوپور بانڈی پورہ اور کپواڑہ کے اجتماعات

اس کے بعد چھوٹے بڑے اجتماعات کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اہل سوپور کی فرمائش پر جامع مسجد سوپور میں مورخہ ۲۱۔۲۲۔۲۳ اگست ۱۹۷۶ء کو ایک بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا۔ اسی طرح کا ایک اجتماع بانڈی پورہ اور کپواڑہ کی جامع مسجد شریف کے صحن میں بھی ہوا۔ کپواڑہ اور بانڈی پورہ کے اجتماعات کئی اعتبار سے اپنی نوعیت کے منفرد اجتماع تھے کیونکہ اس میں (بستی نظام الدین اولیاء) بنگلہ والی مسجد سے بھی چند بزرگان دین تشریف فرما ہوئے جن میں محترم سعید صاحب بھوپالی

Scanned with CamScanner

خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بہت سے بزرگ اب مرحوم ہو چکے ہیں وہ سب تبلیغی دنیا کے نامور اور بڑے صاحب یقین بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

## سرینگر عیدگاہ میں منعقد شدہ کشمیر کا سب سے بڑا تاریخی اجتماع مورخہ ۳۔۴۔۵ جولائی ۱۹۸۸ء

جب سے کشمیر میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع ہوا اور یہاں کے دعوتی احباب بار بار بیرون ریاست جاتے رہے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کی ان دیگر ریاستوں میں دعوت کے عنوان کے تحت بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں اور خاموشی کے ساتھ لاکھوں لوگ بغیر کسی پریس اور پروپگنڈہ کے ان اجتماعات میں شرکت کر رہے ہیں اور اجتماعات کے آخر پر تشکیل شدہ ہزاروں افراد راہِ خدا میں نکل رہے ہیں فطری جذبہ کے تحت ان احباب کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ جموں و کشمیر جو موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ اکثریت رکھنے والی ریاست ہے یہاں پر بھی کم از کم ایک ایسا اجتماع منعقد ہونا چاہیے تا کہ اس اجتماع سے زیادہ سے زیادہ جماعتیں اللہ کے راستے میں نکلیں اور اسطرح ہم بھی اس سعادت میں شریک ہو سکیں جس سعادت سے ہندوستان کی یہ دیگر ریاستیں مستفید ہو رہی ہیں۔ اس کے لئے دو امور کا قبل از انعقاد طے ہونا ضروری تھا۔ ایک مرکز نظام الدین کے بزرگوں سے اجازت حاصل کرنا تا کہ وہ خود بھی اس میں تشریف لائیں اور دوسرا جگہ کا تعین۔ جب اکثر احباب اس رائے کے ساتھ متفق ہو گئے تو یہ مسئلہ بستی نظام الدین کے اکابرین کے سامنے رکھا گیا۔ وہاں کے بزرگوں نے جب کشمیری احباب کے عزمِ مصمم کو دیکھا تو اجازت دے دی اور خود بھی شرکت کرنے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ لیکن ساتھ ہی اس بات پر زور دیا کہ اجتماع سے پہلے خوب جماعتوں کو اللہ کے راستے میں چلایا جائے

Scanned with CamScanner

تا کہ اجتماع کے اختتام پر زیادہ سے زیادہ جماعتیں دعوتی محنت کے سلسلے میں اللہ کے راستے میں نکلیں ۔یہاں اس بات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ تبلیغی اجتماعات اپنی عددی کثرت کا اظہار کرنے کے لئے منعقد نہیں کئے جاتے ہیں بلکہ عامتہ المسلمین کو اللہ کے راستے میں نکالنے کے لئے اور اس کے لئے ترغیب وشوق دلانے کے لئے اللہ کی پاک بارگاہ میں رو رو کر ان اجتماعات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔اجازت حاصل ہونے کے بعد کشمیر کے ذمہ دار تبلیغی احباب کے اندر خوشی کی زبردست لہر دوڑ اٹھی اور سب حضرات دعوتی محنت اور انتظامی امور کی انجام دہی میں جٹ گئے۔ان حضرات میں حضرت امیر احمد خان صاحب امیر تبلیغی جماعت جموں وکشمیر، حاجی محمد یوسف صاحب بارہمولہ ،حاجی عبدالخالق ناگو صاحب بارہمولہ، حاجی غلام محمد وانی صاحب ژیرہ داری بارہمولہ، حاجی غلام رسول (فوروے) صاحب بارہمولہ۔حاجی محمد مقبول مہجو صاحب بارہمولہ، حاجی عبدالکریم صوفی صاحب بارہ مولہ اور بارہمولہ کے دیگر تبلیغی حضرات ،سوپور کے حاجی ولی محمد شاہ صاحب خلیفہ حضرت منشی اللہ دیتا صاحب، حضرت پیر شمس الدین صاحب، خلیفہ خاص حضرت منشی اللہ دتا صاحب اور ان کے گرد کا تبلیغی سرکل، حاجی غلام محمد ڈگا صاحب تحصیل سونہ واری، سرینگر کے حاجی علی محمد کلہ صاحب ،نذیر احمد صاحب ،حاجی عبدالقیوم زاڈو صاحب اور ان حضرات کے ساتھ وابستہ دیگر احباب ،علاقہ ناروا ؤ کے تبلیغی احباب مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی بانڈی پورہ اور محترم نورالحسن صاحب بانڈی پورہ اور کشمیر کے دیگر قصبہ جات اور دیہات کے ذمہ دار احباب، تاریخ مقررہ پر بستی نظام الدین سے اکابرین کی ایک جماعت عیدگاہ کے اس تاریخی اجتماع میں شریک ہونے کے لئے آئی ۔عیدگاہ کا اکثر حصہ شامیانوں اور لنگر انداز خیموں سے ڈھک گیا اور عیدگاہ ایک چھوٹا موٹا شہر دکھائی دینے لگا۔اس تاریخی اجتماع میں پہلی بار دعوت وتبلیغ کا کوئی عالمی امیر تشریف لایا اور عالمی شہرت یافتہ مبلغ اسلام مولانا عمرؒ پالن پوری تشریف لائے اس کے علاوہ ان کے ساتھ مرکز نظام

Scanned with CamScanner

الدین سے دوسرے اکابرین بھی تشریف لائے۔

## مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ حضرت جی ثالث

دعوت وتبلیغ کے حلقہ میں اب تک یہ روایت رہی ہے کہ ہر وقت کے امیر کے ساتھ حضرت جی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اسی لئے مولانا الیاسؒ کو حضرت جی اول۔ اُن کے فرزند مولانا محمد یوسفؒ کو حضرت جی دوم اور مولانا انعام الحسنؒ کاندھلوی کو حضرت جی سوم کہتے ہیں۔ یہ ایک اکرام اور اعزاز کا لفظ ہے۔ حضرت جی اول ودوم بذات خود کبھی کشمیر تشریف نہیں لائے۔ البتہ حضرت جی اول کے زمانہ میں میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہؒ صاحب نے کشمیر میں دعوت کے کام کا آغاز کیا تھا لیکن پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کے بعد کام کا سلسلہ بند پڑا۔ مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کشمیری حضرت مولانا الیاسؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے تھے اور ان کے مدّاح اور ان کی خدمات کے معترف تھے۔ حضرت جی دوم کے زمانے میں صوفی عثمان اور منشی اللہ دتا صاحب کشمیر تشریف لائے۔ لیکن حضرت جی سوم یعنی مولانا انعام الحسنؒ صاحب کشمیر بذات خود تشریف لائے اور ان ہی کے دور امارت میں کشمیر کے اندر دعوت وتبلیغ کا کام مضبوط بنیادوں پر استوار ہوا۔ اور ان ہی کے دور امارت میں کشمیر کا سب سے بڑا تاریخی اجتماع سرینگر کے عیدگاہ میں منعقد ہوا۔

## مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ

آپ کی سوانح میں لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کے حقیقی بھانجے اور حضرت شیخ کے پھوپھا زاد بھائی ہیں۔ مولانا محمد انعام الحسن کی ولادت ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء اپنے آبائی وطن قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو۔ پی، میں ہوئی۔ دس برس کی عمر میں آپ پختہ حافظ قرآن بن گئے۔ حافظ قرآن بننے کے بعد آپ کی اردو فارسی تعلیم کا آغاز اپنے نانا صاحب کے پاس ہوا۔ اس کے بعد مولانا الیاس صاحبؒ آپ کو اپنے ہمراہ نظام الدین دہلی لے گئے اس

Scanned with CamScanner

وقت آپ کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی۔ دہلی میں مولانا الیاسؒ نے بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کو عربی پڑھانا شروع کیا۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد نظام الدین دہلی آگئے اور یہاں مزید تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ مظاہرِ علوم آئے اور حدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مرکز نظام الدین میں مولانا محمد یوسفؒ کی حیات میں کاشف العلوم میں مہتمم ومنتظم رہے ۱۹۳۵ء میں مولانا الیاسؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے اپنی حیات کے آخری دن یعنی ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو علماء ومشائخ کی موجودگی میں ان چھ اصحاب کو بیعت کی اجازت دی۔ (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحب (۳) مولانا احتشام الحسن صاحب (۴) مولانا یوسف صاحب (۵) مولانا انعام الحسن صاحب (۶) مولانا قاری سید رضا صاحب۔ ۱۹۶۵ء میں مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد آپ کو دعوت وتبلیغ کا امیر مقرر کیا گیا اور ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۵ء تک آپ لگ بھگ ۳۲ سال امیرِ دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے اور دس جون ۱۹۹۵ء میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔

## اجتماع کے دیگر کوائف

یہ اجتماع چونکہ کشمیر کی تاریخ میں سب سے بڑا دینی اجتماع تھا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ وادیٔ کشمیر اور جموں سے اس میں شرکت کی غرض سے جمع ہوئے تھے لہذا اتنے بڑے اجتماع کو سنبھالنا یا ایک ہی لنگر پر خورد ونوش کا انتظام کرنا کسی ایک گروپ کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا ہدایت جاری کی گئی کہ ہر علاقہ والے اپنا اپنا لنگر خود قائم کریں۔ بیرونِ ریاست میں چونکہ اس قسم کے اجتماعات روزمرہ کے معمول کی طرح ہیں اور وہاں بڑے بڑے مالکانِ ہوٹل اپنے عارضی ہوٹل لگاتے ہیں لہذا شرکائے اجتماعات کے لئے کھانے پینے کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں کے

Scanned with CamScanner

مخصوص حالات کے پیش نظر الگ الگ حلقوں کے لنگر قائم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا ۔خوش قسمتی سے بیرون ملک کے کئی اصحاب بھی اس اجتماع میں شریک ہوئے جو اسی محنت کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔تاریخ مقررہ پر شرکاء کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جمع ہو گیا اور اجتماع کی کئی نشستیں اور آخر پر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی دعا ہوئی۔جس پر لاکھوں لوگ آمین کہہ رہے تھے۔شہر سرینگر کے مسلمانوں کے لئے چونکہ یہ ایک غیر متوقع اور عقل وقیاس سے بالاتر بات تھی لہٰذا جب پورے شہر میں اس کا چرچا ہو گیا تو دعا کے بعد بھی لاعلمی کی وجہ سے بہت سے لوگ بغرض شرکت اجتماع گاہ میں تشریف لائے۔جن لوگوں نے چلے اور تین چلوں کے لئے نام پیش کئے تھے اُن کے رخ متعین کئے گئے اور وہ جماعتیں مختلف اطراف میں محنت کے سلسلہ میں روانہ ہوئیں

## اجتماع میں مولانا عمرؒ صاحب کا بے مثال بیان

مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ دعوتی دنیا میں ایک معروف شخصیت کے مالک تھے۔حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب انہیں لِسَانُ الدَّعْوَۃ (دعوت کی زبان) کے الفاظ سے یاد کرتے تھے ۔اس کام کی ترجمانی کا جو خاص سلیقہ اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا وہ خاص طور سے ان ہی کا حصہ تھا۔وہ مولانا یوسف صاحب یعنی حضرت جی دوم کے زمانے سے اس کام میں لگ گئے تھے پھر تاحیات لگے رہے۔تیس سال تک مرکز نظام الدین میں بعد فجر ان کا مفصل بیان ہوتا تھا۔اور حضرت جی سوم کے تو گویا وہ دستِ راست تھے۔دنیا کے مختلف ممالک کے سفر کئے اور خلق خدا کو خدا کے ساتھ جوڑتے رہے۔بیان میں درد اور آنکھوں میں آنسوں کی نمی اُن کے بیان کا خاص وصف تھا۔آپ نے مختلف مواقع پر جو مختلف بیان کئے وہ اگرچہ سب سوز وگداز سے پُر اور حکمت اور دانائی کی لڑی میں پروے ہوئے ہوتے تھے لیکن سرینگر عیدگاہ کا بیان اپنی مثال آپ تھا۔خطبۂ مسنونہ اور قران مجید کی چند

Scanned with CamScanner

آیتوں کی تلاوت کے بعد آپ نے اپنا درد بھرا بیان شروع کیا۔ جس میں آپ نے انسان کی دو زندگیوں کا تذکرہ کیا ایک دنیا کی زندگی اور دوسری موت کے بعد کی زندگی اور پھر زندگی بسر کرنے کی دو لائنیں ایک سیدھی اور دوسری ٹیڑھی۔ اس کے بعد ایک پروفیسر صاحب کے ساتھ ہُوا ایک مکالمہ اور پھر ایک آسان مثال سے پروفیسر صاحب کو دین کی بات سمجھانا، دعوت الی اللہ کا طریقہ، دین پھیلانے کی نبوی ترتیب، دین پھیلانے میں ضروری اور اہم چیز، باطل کے دو حربے، مسئلے کا حل، ایک واقعہ بطور مثال اور پھر ایک دوسرا عبرت ناک واقعہ اور پھر پوری دنیا پر رحم کھاؤ، ان ہی موٹے موٹے عنوانات کے اردگرد اپنا بیان مفصل اور مدلل طریقے سے کیا جو ماہنامہ اُلنور جلد ۱۲، اپریل۔ مئی ۱۹۹۹ء میں پوری تفصیل کے ساتھ شائع ہوگیا ہے۔ آخری دن حضرت جی کی دُعا ہوئی۔ جس کے ہر ہر لفظ پر لوگوں کا ایک سمندر آمین کہتا تھا۔

## ۱۹۸۰ء سے لیکر ۱۹۹۰ء تک کے کوائف

اللہ رب العزت کو جب کوئی کام چلانا ہوتا ہے تو وہ قادر مطلق غیب سے اس قسم کے اسباب پیدا فرماتا ہے جن سے وہ کام چلتا ہے۔ بارہمولہ میں دعوت وتبلیغ کا کام پہنچنے سے پہلے حضرت مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ نے ایک زوردار تحریک خالص توحید کے عنوان کے تحت چلائی تھی۔ جس میں ان کو بہت بڑے مجاہدے کرنے پڑے تھے۔ جس وقت منشی اللہ دتاؒ صاحب بارہمولہ پہنچے تو ان کے اور مولانا عبدالولی شاہ صاحب کے درمیان باہمی تعارف ہونے کے بعد مولانا نے اس کام کی تائید کی۔ بذات خود منشی اللہ دتاؒ صاحب کی مجالس تبلیغ میں شرکت فرمائی اور منشی اللہ دتا صاحب نے بارہمولہ کے تاشقند اڈہ والے اجتماع میں مولانا سے عصر کے بعد ایک بیان بھی کروایا۔ عقائد کے اعتبار سے مولانا اور تبلیغی جماعت والوں کے درمیان چونکہ یگانگت پہلے سے تھی ہی لہٰذا علمی دلائل سے جو خاص طبقہ مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کے ذریعے پہلے ہی مانوس ہو چکا تھا وہ فوراً

Scanned with CamScanner

ہی دعوت والی محنت کے ساتھ عملی طور جڑ گیا۔ حتیٰ کہ مولانا حبیب اللہؒ صاحب جو مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کے شاگرد خاص تھے اور جو مولانا عبدالولی شاہ صاحب کو اپنا مرشد بھی مانتے تھے وہ بھی منشی اللہ دتا صاحب اور تبلیغی محنت کے معترف تھے۔ مگر وہ یہاں تبلیغی جماعت کے لنگر انداز ہونے سے پہلے ہی جماعت اسلامی کے ساتھ پیوست ہو چکے تھے جس سے وہ ایک دوراہے پر کھڑے ہو گئے۔ ایک طرف جماعت اسلامی کے ساتھ سابقہ تعلقات اور دوسری طرف دعوت کی عالی قدر محنت اور اس کے بیچ میں ان کا باہمی فکری اختلاف۔ حالانکہ مجھے جماعت اسلامی کے ایک مضبوط رُکن اور مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کے ایک عزیز شاگرد نے یہ بات بھی بتادی کہ جب سرینگر میں مجلس شوریٰ کے سامنے انتخابات میں حصہ لینے کی تجویز پیش ہوئی تو مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے اُس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ ایسا کرنے سے ہم نقصان اُٹھائیں گے لیکن وہاں پر اُن کی بات نہیں چلی بلکہ جماعت کے ایک دور سرے قائد کی بات چلی۔ لیکن پھر عملاً مولانا حبیب اللہ صاحبؒ سیاست سے انفرادی طور کنارہ کش رہے اور چونکہ میں بھی اُن کا ایک شاگرد تھا میں نے بھی اُن کی متابعت میں عملاً کنارہ کشی ہی اختیار کر لی اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا عبدالولی شاہ صاحب کی یہ دلی تمنا تھی اور اس کا انہوں نے اظہار بھی کیا تھا کہ مولانا حبیب اللہ صاحب تبلیغی جماعت کی سرپرستی فرمائیں۔ مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ نہ تو خود جماعت اسلامی کے سیاسی میدان میں اترنے کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی مولانا حبیب اللہ صاحب کے اس سیاسی اُتھل پتھل میں کودنے کو پسند کرتے تھے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب نے بھی اپنے چند بیانوں میں تبلیغ کی مبالغہ آمیز حد تک تحسین و تائید فرمائی لیکن مولانا عبدالولی شاہ صاحب کی وفات کے بعد ۱۹۸۰ء میں مسجد امبر شاہ (جس کو اب بیت المکرم کہتے ہیں) میں مولانا اور چند تبلیغی احباب کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہوئی جس کا آخری انجام یہ ہوا کہ دعوت و تبلیغ والوں کو ایک الگ مسجد شریف کی سوجھی جو کسی خلفشار کے بغیر دعوت

Scanned with CamScanner

وتبلیغ کے لئے ایک مرکز کا کام دے۔ چنانچہ ۱۹۸۱ء میں اُس مسجد کی سنگِ بنیاد رکھی گئی اور امیر صاحب اور مہجو صاحب نے اس مسجد کی تعمیر میں بہت ہی شدّ ومد کے ساتھ کام شروع کیا جس کا تحریری ریکارڑ رکھنا محترم غلام نبی میر صاحب کے سپرد رکھا گیا۔ کیونکہ وہ ایک طرف دعوت وتبلیغ کے فدوی تھے اور دوسری طرف ایک کلرک ہونے کے ناطے حساب وکتاب ترتیب دینے کا ایک خاص ملکہ رکھتے تھے۔ مسجد کی تعمیر میں مرحوم حاجی عبدالسبحان لون بونیاری کا ایک خاص رول رہا۔ امیر صاحب کے اردگرد جو تبلیغی حلقہ تھا اور اس حلقہ سے باہر جو حامیوں کا حلقہ تھا سبھوں نے اس مرکز کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس کے بعد وادی کے دیگر قصبہ جات میں بعض تبلیغی ضروریات کے پیش نظر مراکز تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔ حالانکہ ہمارے اکابر تبلیغ کے عنوانوں کے تحت مراکز تعمیر کرنے کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ تاکہ کہیں تبلیغ کسی مخصوص گروہ کی شکل اختیار نہ کرے۔ لیکن دعوت وتبلیغ کی چند مخصوص ضروریات کے پیش نظر ایسا کرنا کہیں کہیں ناگزیر بن جاتا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ کوئی علاحدہ سسٹم تیار کیا جارہا ہے۔ یا کوئی الگ مسلک وضع کیا جارہا ہے۔ مسلک تو چار ہی ہیں اور چاروں مسلک کے ماننے والے اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے دعوت وتبلیغ، کی محنت میں عالمی سطح پر حصہ لے رہے ہیں حتیٰ کہ غیر مُقلّد حضرات جو اپنے لئے سلفی یا اہل حدیث کا نام پسند کرتے ہیں کثیر تعداد میں کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کی محنت مسلکوں کی محنت نہیں بلکہ دینی دعوت کے مجاہدوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی محنت ہے۔ کسی خاص مسلک کو اختیار کرنا یا ترجیح دینا اور اسی طرح سلفی یا اہل حدیث بننا عموماً آج کل ایک مسلمان کے ذاتی مذاق، ذاتی تحقیق اور ذاتی پسند کا معاملہ بن گیا ہے۔ لیکن محض ہنگاموں اور سستی شہرت اور ذاتی عداوت کی بنیاد پر اپنے اپنے مسلکوں کو تبدیل کرنا اور اس کو ایک فیشن کی شکل دینا اور کسی بستی میں ایسا طرز عمل اختیار کرکے بستی کے لوگوں کو انتشار میں ڈالنا دیانت وتقوی

Scanned with CamScanner

کے تقاضوں کو نہ صرف پامال کر رہا ہے بلکہ دین اور باہمی اتحاد کے لئے سخت مضر ہے۔ جب سواد اعظم چاروں مسلکوں کے حق ہونے پر متفق ہے اور سوادِ اعظم نے اب تک اسی طرزِ عمل پر قائم رہتے ہوئے دین کو ہم تک پہنچایا ہے تو ہم کس باغ کی مولی ہیں کہ الگ سے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کھڑی کر لیں۔ مسالک کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے وہ حق و ناحق، صحیح و غیر صحیح، درست یا نادرست ہونے کی بنیاد پر نہیں بلکہ ائمہؒ کے نزدیک ان کی ترجیحات کی بنیاد پر ہے۔ اور قدرت نے جس امتی کو جس دائرے کے اندر اُس کی غیر ارادی اور غیر اِختیاری خواہش کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے اسلاف وائمہ دین پر اعتماد کرتے ہوئے اُس کو قدرت کا ایک تکوینی عمل سمجھ کر ان ہی دائرہ والوں کے مسلک کو اختیار کرے۔ اور فروعی مسائل میں بار بار بدلاؤ کا وطیرہ اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اصولی اعتبار سے مسالک کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور بار بار کے بدلاؤ سے بستیوں کے اندر انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ چیز اتباعِ شرع کے بجائے اتباع خواہشات کی دلیل ہے جو حرام ہے۔ اپنے آبائی مسلک سے بغاوت کرنے کے بجائے دین کی اشاعت میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنا چاہیئے۔ قبر میں مسلک، مذہب یا غیر مقلدیت کا سوال نہیں ہوگا بلکہ توحید، رسالت اور دین کا سوال ہوگا۔ اور دین مجموعہ عقائد واصول کا نام ہے اور مذہب مجموعہ مسائل وفروع کا نام۔ جو لوگ دین کے اصول وفروع کی سمجھ رکھتے ہیں وہ اس قسم کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے۔

## ۱۹۸۰ سے ۱۹۹۰ کی دہائی میں وادی میں کام کی رفتار

مسجد بیت المکرّم کو الوداع کہنے کے بعد تبلیغی احباب کو یکے بعد دیگرے کئی مساجد کو کام کے جماؤ کیلئے اپنا مرکز بنانا پڑا لیکن سکون واطمینان کی کیفیت کہیں حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہر مسجد والوں کے اپنے کچھ روزمرہ کے معمول ہوتے تھے۔ کہیں جگہ کی قلت اور کہیں اور کوئی اڑچن پیش آتی تھی

Scanned with CamScanner

۔ پھر جب باہر سے کوئی تبلیغی جماعت آتی تھی ۔تو مہمانوں کی مہمان نوازی کرنے میں بھی اس غیر یقینی صورت حال میں مشکلات پیش آتی تھیں ۔کبھی ککر حمام بارہمولہ، کبھی قدیم جامع مسجد بارہمولہ اور کبھی کسی اور مسجد کو اپنا پڑاؤ بنانا پڑتا ۔اس غیر یقینی صورت حال سے خلاصی پانے کے لئے ایک دفعہ ذمہ دار تبلیغی احباب کا ایک مشورہ مسجد عفت بارہمولہ میں طلب کیا گیا جس میں احقر بھی تھا ۔اکثر احباب کی رائے آئی کہ سکون واطمینان کے ساتھ کام کرنے کے لئے ایک ایسی مسجد یا مرکز کا قیام ضروری ہے جہاں آنے والے مہمانوں اور کام کرنے والے احباب کو کسی دقت یا پریشانی کا سامنانہ کرنا پڑے ۔اس نشست میں حضرتنا امیر صاحب اور حاجی محمد مقبول مہجو صاحب بھی بہ نفس نفیس موجود تھے ۔احقر نے یہ رائے بھی پیش کی کہ اگر تحتِ ضرورت ایک مرکز بنانے پر احباب متفق ہوجاتے ہیں پھر بھی آئندہ کے لئے اس امر کا خاص خیال رکھا جائے کہ کہیں اور کوئی سیاسی جماعت یا پارٹی آئندہ اس مرکز کو ہائی جیک نہ کرے ۔کیونکہ ایک مرکز پر بیس سال گذارنے کے بعد اگر ایک خاص سیاسی فکر رکھنے والوں کی وجہ سے ہمیں اس جگہ کو خیر باد کہنا پڑ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ چل کر کوئی دوسرا سیاسی مکتب فکر ہمیں ہائی جیک کرلے ۔کیونکہ دعوت وتبلیغ کی محنت کوئی سیاسی داؤ پیچ کی محنت نہیں بلکہ ایمان ویقین بنانے کی محنت ہے ۔اس مجمع میں خالص دینی فکر رکھنے والوں کے علاوہ اور دو سیاسی مکتب ہائے فکر کے ساتھ تعلق رکھنے والے چند احباب بھی تھے جو دعوت وتبلیغ کے ساتھ بھی محبت و شفقت کا معاملہ کرتے تھے اور راہِ خدا میں اوقات بھی لگاتے تھے لیکن اپنے ذاتی رجحانِ طبع کی وجہ سے دو مختلف عصری سیاست میں حصہ لینے والی جماعتوں کے ساتھ بھی منسلک تھے ۔میں نے اپنی نارسا سمجھ کے مطابق ان الفاظ کا دُہرانا اس لئے مناسب سمجھا تاکہ ہر آدمی جان لے کہ اس دعوت کی محنت میں حصہ لینے کے لئے اگرچہ کسی سیاسی فکر کے ساتھ تعلق رکھنا ابتداءً مانع اور رکاوٹ کا باعث نہیں لیکن اتنا ڈھیلا پن بھی نہیں ہے کہ اس سیاسی فکر کو جماعت پر حاوی رکھنے کا غلط منصوبہ کوئی اپنے

Scanned with CamScanner

ذہن میں بٹھادے۔ یہ بات اگر چہ چند اصحاب کو بے محل اور خلاف توقع محسوس ہوئی لیکن میں نے بھی محض ماضی کے تجربے اور دعوت کے وسیع تر مفاد میں کہی تھی جس کے لئے مجھے کچھ عرصہ کے لئے چند اصحاب کی ناراضگی بھی مول لینا پڑی۔ مشورہ میں مرکز کی تعمیر کے ساتھ متفق ہونے کے بعد حاجی محمد مقبول صاحب نے اپنی رہائش گاہ کے قریب ایک قطعہ زمین وقف کیا۔ مرکز نظام الدین کے بزرگوں کو معاملے سے مطلع کیا گیا انہوں نے بھی یہاں کی مجبوریوں کو نظر میں رکھتے ہوئے اس جگہ مسجد بنانے کی اجازت دے دی اور اس کا نام "مسجد الرشاد" تجویز فرمایا۔ آہستہ آہستہ مرکز تعمیر ہوا اور مہجو صاحب اور تبلیغی احباب خاص کر جناب امیر احمد صاحب دامت برکاتہم کی توجہ او ردعاؤں سے مسجد تعمیر ہوئی جس میں تقریباً ایک عشرہ یعنی دس سال لگ گئے۔ ۱۹۸۸ء میں سرینگر کا بڑا اجتماع بھی اسی عشرہ میں منعقد ہوا اور اجتماع کے بعد کشمیر کے حالات میں ایک زبردست تغیر آیا جس نے کشمیر کے ہر شعبے کو متاثر کیا اور دعوت کی محنت بھی ایک وقفے تک متاثر رہی۔ حضرت امیر احمد صاحب کچھ عرصہ کے لئے دہلی میں مقیم رہے اور یہاں دعوت کا کام مدہم پڑ گیا۔ صرف مہجو صاحب اور چند دیگر اصحاب مرکز کی زینت بنتے رہے۔ گولیوں، دھماکوں اور پکڑ دھکڑ وگھیراؤ میں دھیمے انداز میں کام ہوتا رہا۔ لیکن مجموعی طور سے خوف ودہشت کا عالم چھایا رہا۔ کئی مسجدوں میں جماعتوں کی پٹائی ہوئی۔ ایک دفعہ جبکہ شب گذاری کے لئے مسجد الرشاد میں احباب آئے ہوئے تھے مسجد کے باہر بندوقوں کی گھن گرج سے ایک ایسا سماں بندھ گیا جس سے ساتھیوں کے دل دہل گئے۔ جگہ جگہ چیک پوسٹ قائم کئے گئے۔ قدم قدم پر تلاشیاں لی جانے لگیں۔ سفر کرنا اور گھر سے باہر نکلنا انتہائی مشکل ہوگیا۔ ایک قیامت خیز منظر قائم ہوگیا۔ یہاں سے بیرونِ ریاست جماعتوں کا جانا تقریباً بند ہوگیا۔ اور جو جماعتیں باہر جاتی تھیں زبردست سیکورٹی کے پیش نظر کلیجہ ہاتھ میں تھام کر اُن کو کام کرنا پڑتا تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں چند ساتھیوں کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ صورت حال تقریباً

Scanned with CamScanner

۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک یہاں قائم رہی۔ پھر اللہ کے فضل و کرم سے حالات میں کچھ سدھار آنے لگا ۔جماعتوں کی نقل و حرکت میں کچھ اضافہ ہونے لگا۔ ہدایت یہ ملی کہ ایسے حالات میں جموں و کشمیر کی جماعتوں کو اندرونِ ریاست ہی چلایا جائے اس طرزِ عمل کا یہ فائدہ ہوا کہ ریاست کے اطراف و اکناف میں خوب جماعتیں چلیں اور ریاست کے دور دراز علاقوں تک دعوت و تبلیغ کی آواز پہنچی ۔دوسری طرف اسی عشرہ میں چند تبلیغی مراکز بھی وجود میں آگئے اور چند مراکز کی داغ بیل پڑ گئی ۔جن میں کپواڑہ کی مسجد مرشدین، سوپور کی مسجد زکریا اور سرینگر کی رنگر مسجد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد ہندواڑہ، بانڈی پورہ، ٹنگمرگ، شوپیان میں بھی تبلیغی ضروریات کے لئے مراکز کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ترال، پلوامہ، بڈگام، کلگام، سوناواری اور اسلام آباد میں بھی پہلے سے بنی ہوئی مساجد میں مراکز قائم ہوئے اور اس طرح وادی کے تقریباً ہر تحصیل کے صدر مقام پر کام کا ایک مرکز کھڑا ہونے سے کام کا پھیلاؤ اور بڑھ گیا گویا جماعتوں کی بیرونِ ریاست بندش کام کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی اور پھر وادی میں ہر ماہ کا ایک مشورہ وجود میں آیا۔

## مسجد الرشاد کی تکمیل اور وادی کا مشورہ

ایک اہم پیش رفت یہ ہوئی کہ مسجد الرشاد کی تکمیل سے وادی کے ذمہ دار اصحاب کا ہر ماہ بارہمولہ میں جڑنا ممکن ہو گیا۔ کیونکہ اب حالات میں بھی سکون آنے لگا اور اپنے مہمانوں کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرنے کے لئے بھی آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا طے پایا کہ وادی کے ذمہ دار احباب ہر ماہ کے اوائل میں مرکز میں تشریف لائیں اور اپنے اپنے علاقے کی کارگذاری پیش کریں ۔تقاضے رکھیں اور جو تقاضے مرکز سے دئے جائیں اُن کو پورا کریں۔ خدا نے یہ سلسلہ بہت آسانی کے ساتھ چلا دیا اور تب سے اب تک ہر ماہ پابندی کے ساتھ مشورہ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد اب ایک اور بات بھی سوجھی کہ اسی طرح ایک مشترکہ مشورہ پوری ریاست کا ایک دفعہ سال میں جموں میں اور

Scanned with CamScanner

ایک دفعہ وادی میں ہو جائے۔ یہ سلسلہ بھی چلا اور خدا کے فضل وکرم سے کام آگے بڑھ رہا ہے۔

## دعوت کی برکت سے مدارس اسلامیہ کا قیام

سرزمین کشمیر کو دعوت وتبلیغ کی محنت سے ایک بڑا اہم فائدہ یہ پہنچا کہ کشمیر میں مدارسِ اسلامیہ یعنی دارالعلوم درجنوں کی تعداد میں وجود میں آگئے۔ بظاہر ان مدارس اسلامیہ کے وجود میں آنے کے دو سبب بن گئے۔ پہلا سبب یہ بنا کہ جب کشمیر کی جماعتیں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں باہر جاتی تھیں تو وہاں قدم قدم پر انہوں نے مدارسِ اسلامیہ کا جال بچھا ہوا دیکھا۔ جن میں دارالعلوم دیوبند ،مظاہر علوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء جیسے عالمی شہرت کے مدرسے بھی دیکھتے اور اس کے علاوہ ہر شہر، قصبہ اور قریہ میں چھوٹے بڑے مدارس کا مشاہدہ کرتے۔ یہ سب ادارے وہاں کے مسلمان کسی حکومت کے سہارے نہیں بلکہ اپنی ذاتی قربانیوں کی بنیاد پر چلا رہے ہیں اور ان دارالعلوموں سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں حُفّاظ، قُرّاء، علماء، فضلاء اور مفتیانِ کرام کے علاوہ شیخ الحدیث اور مفسرین کرام تیار ہو کر نکلتے ہیں جب کہ کشمیر میں (جو ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے) ڈھونڈے سے بھی کوئی حافظ نہیں ملتا تھا۔ یہاں فتویٰ نویسی کا فریضہ چند خاندانوں کے اندر محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ دعوتی اسفار کی وجہ سے اور پھر ہندوستان جیسے مسلم اقلیتی علاقہ میں مدارس کی اس کہکشاں کو دیکھ کر ان کے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا اور بہت سارے حضرات نے اپنے بچوں کو ان دارالعلوموں میں داخل کیا جو وہاں سے عالم، فاضل اور حفاظ بن کر واپس آئے اور یہاں پہنچ کر اسی طرز کے دارالعلوم قائم کرنے میں کوشاں ہوئے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام وادی بلکہ پوری ریاست جموں وکشمیر میں مدارسِ اسلامیہ کا ایک پورا (network) وجود میں آگیا۔ سوپور میں جناب غلام رسول ڈار صاحب نے ایک مدرسہ کے لئے زمین وقف کی، اور اُوڑی نارواؤ میں مرحوم حاجی عبدالسبحان لون صاحب نے شیری کے مقام پر برلب سڑک مدرسہ کے لئے زمین وقف کی۔ بارہ مولہ میں ژیرہ داری کے

Scanned with CamScanner

مقام پر ایک مدرسہ قائم ہوا جس کی سرپرستی حضرت امیر احمد خان صاحب نے فرمائی۔ بانڈی پورہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب نے ایک دارالعلوم قائم کیا۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے اچھہ بل سوپور، ربن سوپور، کپواڑہ، لولاب، ہندواڑہ، ٹنگمرگ، شوپیان، کلگام وغیرہ میں اسی طرز کے دارالعلوم وجود میں آگئے۔ سرینگر میں مدرسہ دارلعلوم بلالیہ اور قاسمیہ معرضِ وجود میں آگئے۔ اب ساری وادی اور ریاست کے مختلف اطراف واکناف میں ایسے مدارس کی اتنی بڑی تعداد وجود میں آگئی ہے کہ ان کی پوری تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ نہ صرف لڑکوں کے لئے دارالعلوم وجود میں آئے بلکہ لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے بھی سوپور، بارہمولہ، اسلام آباد، ربن اور فتح گڈھ نارواؤ میں مدارس قائم ہوگئے جن میں پردے کا زبردست اہتمام ہے۔ اس کے علاوہ ہر دارالعلوم کے تحت قریہ بہ قریہ اور محلّہ در محلّہ طلباء اور طالبات کے لئے بے شمار مکاتب بھی قائم ہو چکے ہیں جو اسکولوں میں زیر تعلیم نونہالوں کی ذہنی تربیت کا عظیم کام انجام دے رہے ہیں جس کی وجہ سے مشنریوں اور باطل فرقوں نیز ارتدادی مہم چلانے والوں کے خلاف الحمد للہ اھل حق کو کامیابی کے ساتھ فتح وغلبہ حاصل ہوا ہے اور آئندہ بھی ان مکاتب سے گمان سے بڑھ کر منافع متوقع ہیں۔

یہاں پر ہندوستان کی ریاست یو۔پی کے ملا اصغرؒ صاحب کا تذکرہ کرنا قرین انصاف ہے جنہوں نے اپنی انفرادی کوششوں سے سینکڑوں بچوں کو ایک ماں کی طرح گود میں اُٹھا کر اپنے ہاں لے لیا اور ان کی پڑھائی میں ازحد جانفشانی سے کام لیا۔ خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ۔ مفتی سید عبدالرحیم گیلانی، مولانا عبدالرحمٰن گیلانی ندوی، مولانا مولانا محمد رحمت اللہ میر قاسمی، مولانا حمید اللہ لون صاحب کولگام، مولانا غلام محمد قاسمی، مفتی مظفر حسین قاسمی، مولانا عبدالعزیز قاسمی قریشی ،مولانا عبدالرشید قاسمی گامرو وغیرہ علماء کرام کے حصول علم دین میں ان کی رفاقت کا ایک بڑا عنصر شامل ہے۔ اب ان دارالعلوموں کے زیر سایہ کچھ ایسے تعلیمی ادارے بھی قائم ہوئے ہیں جہاں

Scanned with CamScanner

مروجہ علوم کے ساتھ دینی علوم بھی خصوصیت کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔ان مدارس میں مولانا ارشد صاحب ندوی کا مدرسہ النور ٹنگمرگ سرفہرست ہے۔ان سب مدارس سے پہلے خدا کے ایک نیک بندے نے اسلام آباد دندی پورہ میں خاموشی کے ساتھ ایک مدرسہ انوار العلوم کے نام سے قائم کیا تھا۔ جواب تک بفضلِ خدا قائم ودائم ہے۔ضلع اسلام آباد میں اب چند نمونے کے مدارس قائم ہوئے ہیں جن میں مولانا حمید اللہ صاحب کا مدرسہ کئی لحاظ سے فائق ہے۔

اس کے علاوہ جموں کے مختلف اضلاع میں بھی بشمول جموں شہر مدارس کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور اس طرح پوری ریاست جموں وکشمیر میں اب ہر سال سینکڑوں علماء، فضلاء اور مفتیانِ کرام کی اچھی خاصی ٹیم تیار ہو رہی ہے جو ریاست کے کونے کونے میں کوئی نہ کوئی علمی یا عملی کارنامہ انجام دینے میں مصروف عمل ہیں۔

## دعوت اور مدارس کا باہمی ربط

ایک خاص فائدہ اس محنت سے یہ ہوا کہ دعوت کا کام کرنے والوں اور تدریسی فریضہ نجام دینے والوں کے درمیان ایک قریبی رابطہ قائم ہوا۔اس میں حضرت امیر احمد خان صاحب دامت برکاتہم کا ایک خاص رول رہا۔دعوت کی محنت سے نہ صرف یہ ہوا کہ دعوت والے علماء کے قریب آگئے یا علماء دعوت کی سرپرستی فرمانے لگے بلکہ عامۃ المسلمین بھی بڑی حد تک علماء کے قریب آگئے۔

## انگریزوں کی ایک سنگین چال کا توڑ

اِس وقت تک انگریزوں کی ایک سنگین اور زبردست چال یہ رہی ہے کہ وہ عوام کو اور خاص کر جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو علماء سے بدظن کرتے رہے۔مسلمان نوجوانوں اور تعلیمِ جدید کے شیدائیوں کا علماء کرام سے کٹ جانا ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔خدا سے ڈرنے والے اور دین کا صحیح فہم رکھنے والے تو علماء کرام ہی ہو سکتے ہیں جب امت اسی طبقے سے کٹ جائے گی تو یہ زوالِ امت کی پہلی

Scanned with CamScanner

علامت ہے۔ دعوت کی محنت سے نقد یہ فائدہ ہوا کہ ہزاروں علماء دعوت میں لگنے سے دعوتی احباب اور عامۃ المسلمین کے قریب آ گئے۔ اور جب مذاکروں اور تعلیمی حلقوں میں باہمی ارتباط پیدا ہو گیا تو جدید تعلیم کے شیدائیوں پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ انہیں خواہ مخواہ ایک ذہنی فتور ہے کہ ہم جیسا باکمال کوئی نہیں۔ جبکہ التحیات اور ضمِ سورہ میں بھی ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں اور نماز جیسی اہم عبادت بھی ہم صحیح ڈھنگ سے ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تجوید کی تو بات ہی نہیں۔ اس طرح انہیں احساس ہونے لگا کہ ہم علماء کے محتاج ہیں اور علماء ہمارے محتاج نہیں ہیں۔ علماء میں یہ احساس ہوا کہ بخاری اور ترمذی پڑھانے سے ہی دین کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ گری پڑی قوم کی التحیات اور سورۂ فاتحہ کی تصحیح بھی ان کے فرائض میں شامل ہے۔ اور جب تک عوام میں ایک عمومی دینی فضا قائم نہیں ہو جاتی تب تک ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کو خام مال ہی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے علماء اور دعوتی محنت کرنے والوں کے درمیان نہ صرف تال میل کی ضرورت ہے بلکہ دعوت کی محنت کے ساتھ حضرات علماء ہی انصاف کر سکتے ہیں۔ یہ احساس اور اس کے مطابق عمل ایک خوش آئند قدم ہے جس سے امت کے صحیح رخ پر آنے کے قوی امکانات پیدا ہو گئے ہیں ہر امتی عالم فاضل نہیں بن سکتا اور نہ ہر ایک کے لئے مولوی بننا ضروری ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اور انجینئر بننا بھی گناہ نہیں۔ البتہ اسی باہمی ربط اور دعوتی محنت سے یہ بات سب پر روز روشن کی طرح کھل گئی کہ دیندار بننا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے مولوی بننا شرط نہیں۔ اپنے کاروبار اور دیگر مشاغل میں رہتے ہوئے بھی آدمی دیندار بن سکتا ہے۔

## تراویح میں ختمِ قرآن کا عمومی رواج

دعوت و تبلیغ کی اس محنت سے کافی عرصہ سے متروک ایک سنت زندہ ہو گئی۔ اور وہ رمضان کی تراویح میں سماعتِ قرآن کی سنت ہے۔ پہلے کوئی حافظِ قرآن نہیں ملتا تھا اور اگر خوش قسمتی

Scanned with CamScanner

سے کہیں کوئی حافظ قرآن ہوتا بھی تھا تو عدم مناسبت کی وجہ سے لوگ پورا قرآن سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ تبلیغی اور تعلیمی حلقوں میں عوام کی ایک کثیر تعداد کی شرکت سے، اور فضائل قرآن سن کر تجوید کے حلقوں میں بیٹھنے اور باہمی مذاکروں سے مساجد کے اندر رمضان کے مہینے میں قرآن سننے کا ایک عمومی شوق عوام میں پیدا ہوا اور اس وقت ہزاروں مساجد میں رمضان کے مہینے میں پورا کلام پاک سنا جارہا ہے اور اس میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔

## علماء سے پوچھ پوچھ کر قدم اٹھانے کا جذبہ

پہلے یہ ہوتا تھا کہ دین سے عدم دلچسپی کی وجہ سے اور علماء کے فقدان کی وجہ سے بہت سارے لوگ لاعلمی میں اپنے نارسا ذہن اور سوچ کے تحت کوئی کام کر گزرتے تھے اور بعد میں اگر ضرورت محسوس ہوتی تو کسی عالم کی طرف رجوع کرتے تھے اور جواب حاصل کرنے کے لئے ایک اچھی خاصی فیس ادا کرنی پڑتی تھی اب ہر دارالعلوم میں ایک شعبۂ افتاء قائم ہوا ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے ہر جگہ بروقت رہبری حاصل ہوتی ہے جس سے عوام کسی گناہ میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اس کا بنیادی سہرا بھی دعوت وتبلیغ کی محنت کے سر جاتا ہے۔ جس کے طفیل میں یہ دارالعلوم اور مفتیان کرام وجود میں آگئے۔

## علمی رسائل وجرائد کا اجرا

مدارس کے وجود میں آنے سے جہاں اور بے شمار فوائد وجود میں آگئے وہاں تقریباً ہر بڑے دارالعلوم کی طرف سے ایک علمی واصلاحی رسالے کا اجراء بھی وجود میں آگیا۔ اس وقت درجنوں ماہنامے وسہ ماہی شائع ہورہے ہیں اور مختلف امور پر قلم اُٹھا کر حضرات علماء کرام عوام الناس کی تشفی کا سامان مہیا کررہے ہیں۔ لیکن اس میں اور بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ عصری ضرورتوں کے پیش نظر بہت سارے مسائل پر قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں

Scanned with CamScanner

بھی کشمکش پائی جارہی ہے۔

## یتیم اور نادار بچوں کی کفالت اور تعلیم کا بندوبست

ان مدارس کی وجہ سے ہزاروں یتیم اور نادار بچے پل رہے ہیں اور دوسری طرف تعلیم کے نور سے بھی مستفید ہورہے ہیں ۔خاص کر عسکری تحریک اور قدرتی آفات کی وجہ سے جو ہزاروں بچے یتیم ہوگئے اور جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا ان میں سے بیش تر بچے ان اداروں کا رخ کر رہے ہیں اور مستفید ہورہے ہیں۔جبکہ یہاں ان یتیموں اور غرباء کے عزت نفس کی خاطر یتیم ٹرسٹ وغیرہ کے عنوانات سے بھی عموماً پرہیز کیا جاتا ہے تاکہ ان معصوموں میں احساس کمتری پیدا نہ ہوسکے

## ۔مستورات میں محنت

انسانی سماج کے دو پہیے ہیں جنہیں قدرت نے مرد اور عورت کی صورت میں وجود بخشا ہے ۔دونوں کی تربیت ناگزیر ہے لیکن یہاں عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ دینی تعلیم وتربیت میں اگرچہ مردوں کی طرف کبھی کبھار توجہ دی بھی جاتی تھی لیکن عورتیں بالکل نظر انداز کیجاتی تھیں۔دعوتی محنت میں جس طرح مردوں کی طرف توجہ دی جارہی ہے۔اسی طرح عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھی خاص طو رسے زور دیا جارہا ہے۔مساجد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ گھروں کی تعلیم لازمی قرار دی جارہی ہے ۔اس وقت وادیٔ کشمیر میں ہزاروں کی تعداد میں گھروں کے اندر روزانہ تعلیم کی جارہی ہے اور موجودہ سماج کے اندر ٹیلی ویژن کے مُضر اثرات سے جو خرابیاں عام طور سے وجود میں آرہی ہیں یہ گھرانے فضائل اعمال اور اب منتخب احادیث کی بدولت ان خرابیوں کے چنگل سے چھٹکارا پارہے ہیں اور اس طرح گھروں کے اندر ایک خاموش انقلاب آرہا ہے۔سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں پردہ کے اندر اور شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے محرموں کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی محنت کے سلسلے میں گھروں سے باہر نکل رہی ہیں اور یہ احساس اُجاگر ہورہا ہے کہ دین کی اشاعت وترویج کا کام

Scanned with CamScanner

صرف مردوں کا نہیں بلکہ عورتیں بھی اس کا اہم اور لازمی جز ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ایک مرد کے اندر دین آیا تو سمجھو کہ صرف ایک فرد کے اندر دین آیا لیکن اگر عورت کے اندر دین آیا تو واقعی پورے گھر میں اور خاندان کے اندر دین آیا۔ یا مرد کے اندر دین کا آنا ایسا ہے کہ گن یا چوکھٹ تک دین آیا لیکن عورت کے اندر دین کا آنا ایسا ہے کہ گھر کے اندر دین داخل ہو گیا۔ یہ سب اس دعوت کی مبارک محنت کے ان گنے چنے سال کے اندر نتائج نظروں کے سامنے آرہے ہیں۔ اگر محنت کی رفتار اسی طرح رہی اور خدا کرے کہ اس میں اضافہ ہو تو امید ہے کہ اس سے بہتر نتائج نظروں کے سامنے آجائیں گے۔

## اہتمام پردہ

موجودہ تعلیمی نظام کے کرشموں میں سے ایک بڑا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے بقول علامہ اقبالؒ زن کو نازن بنا دیا۔ پردہ جو ایک اہم اسلامی شعار ہے کا تصوّر تک عورتوں کے ذہن سے نکال دیا۔ معاشرہ کو بے حس بنا دیا۔ عورت گھر کی رونق اور ملکہ بننے کے بجائے بازار کی زینت بننا چاہتی ہے۔ اپنے مصنوعی اور خلافِ شرع انداز سے اس نے سماج کی ایمانی غیرت کو للکارا ہے۔ مردوں کے ضمیر کو بے حس بنا دیا ہے۔ معاشرت کے بناؤ کے بجائے اُس نے معاش کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ سب مردوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑنے کی بدولت ہوا ہے۔ پردہ عورت کے چہرہ سے اٹھ گیا اور مرد کی عقل پر پڑ گیا۔ حد تو یہ ہے کہ وہ مدرسے جو دینی تعلیم کے احیاء کے لئے دین پسندی کا دعویٰ کرنے والوں نے عصری انداز میں قائم کئے تھے وہاں پر بھی پردہ برائے نام رہ گیا ہے۔ لیکن چند ایسے دارالعلوم وجود میں آنے سے جو خالصتاً لڑکیوں کے لئے قائم کئے گئے ہیں پردہ پھر وجود میں آنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی طرز کے تعلیمی ادارے جس سیلاب کی طرح وجود میں آرہے ہیں اور جن کے قائم کرنے کا ہم خود ذوق وشوق رکھتے ہیں اور پزیرائی کر رہے ہیں اس کے

Scanned with CamScanner

مقابلہ میں ان تعلیمی اداروں کا وجود آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ لیکن پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ ایک مثال قائم ہوگئی اور آیندہ چل کر امید بندھ گئی کہ صحیح اسلامی معاشرے کی عکاسی ہو جائے گی۔ آج بقول ایک بزرگ کے مرد کا مزاج اتنا بگڑ چکا ہے کہ اسے عورت نہیں بلکہ ایک ہیروئن چاہیے اور عورت کو ایک مرد نہیں بلکہ ایک ایکٹر چاہیئے دعوتی محنت کی بدولت بہت سارے نوجوانوں کا ذوق صحیح لائن پر آ گیا اور بہت سارے گھرانوں میں پردے کا رواج پھر جنم لینے لگا۔

## غمی خوشی میں مسنون طریقوں کی پاسداری

ایک خاص فائدہ اس دینی دعوت کا یہ ہوا کہ بہت سارے گھروں میں غمی اور خوشی میں سنت کے طریقوں کو فروغ ملا۔ جو لوگ کچھ لمبی عمر کے مالک ہیں انہیں خوب یاد ہوگا کہ دینی محنت کے رواج میں آنے سے پہلے شادی وغمی کے موقعوں پر کس قسم کی خرافات کا چلن عام تھا۔ بینڈ باجے کے بغیر شادی کا تصور تک نہیں کیا جاتا تھا۔ نامحرم مرد وعورت کا مخلوط طرز عمل کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ آتش بازی شادی کے شعائر میں سے تصور کی جانے لگی تھی۔ مہر کی نقد ادائیگی ایک قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ برات کے ساتھ بہ شکل جلوس جانا اور لڑکی والوں کے مال پر ڈاکہ ڈالنا بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ایمانی تحریک کے احیائے نو کی بدولت عیب کو عیب سمجھا جانے لگا اور اب سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان سنت کے موافق نکاح خوانی مساجد کے اندر کرا رہے ہیں اور بارات کے ساتھ برائے نام کی نفری جاتی ہے اور اس طرح امت کے دیندار افراد کو مال وجان کے ضیاع سے نجات حاصل ہوگئی۔

## سنت کے مطابق لباس وداڑھی کا رواج

مغربی تہذیب کی یلغار سے نہ صرف یہ ہوا کہ ایمان ویقین میں اضمحلال شروع ہوا بلکہ جسم اور چہرہ بھی اسلامی شان کھو چکا تھا۔ سنت کے مطابق داڑھی کا رکھنا ایک انوکھا عمل تصور کیا جانے لگا

Scanned with CamScanner

تھا اور شرعی لباس ایک انوکھی چیز لگتی تھی لیکن اب اللہ کے فضل وکرم سے سکول، کالج و یونیورسٹی کے طلباء اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر تعینات افراد بھی اپنا چہرہ اسلامی وضع کے مطابق بنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

## عصری فتنوں کا سدّ باب

انگریز جب کسی ملک میں اپنا پیر جمانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں خاص کر مسلمان ممالک جو اکثر اُن کے نشانہ پر ہوتے ہیں تو فوراً اپنی مذہبی مشنریوں کو وہاں بھیج دیتے ہیں اور مختلف قسم کے حربے استعمال کر کے لوگوں کو عیسائی و بے دین بنانے کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن دعوتی محنت کے فروغ اور دار العلوموں کے وجود میں آنے سے اور علماء کرام کے متحرک ہونے سے بڑی حد تک انگریز کی اس منصوبہ بندی کا تدارک ہو گیا۔ امید ہے کہ آگے چل کر اس میں اور ترقی ہو گی۔ انشاء اللہ

## مکاتب کی تعداد میں اضافہ

عام طور پر جب کشمیری مسلمان جماعتوں کی صورت میں باہر گئے تو وہاں پر تقریباً ہر مسجد میں ایک مکتب پایا جہاں صبح وشام عموماً اور بہت سارے مقامات پر دن بھر بچے قرآن شریف سیکھتے اور حفظ کرتے ہیں۔ اس نورانی ماحول کو دیکھ کر بہت سارے اہل دل حضرات نے یہی طریقہ اپنا کر اپنی اپنی مساجد میں اسی طرز کو اپنایا اور اب تو ماشاء اللہ ہر ماہانہ کارگذاری کے موقع پر مکاتب کی تعداد مانگی جاتی ہے اور جہاں پر مکاتب نہیں ہیں وہاں مکاتب کھولنے کے لئے ترغیب دی جارہی ہے۔

## ہوسٹلوں اور کالجوں میں دینی دعوت

جوں جوں محنت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا توں توں ملک کے اندر موجود کالجوں اور کالجوں سے متعلق ہوسٹلوں میں بھی کام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے اور کالجوں سے لے کر

Scanned with CamScanner

یونیورسٹیوں تک محنت کے ثمرات مشاہدہ میں آتے ہیں۔ چنانچہ کشمیر یونیورسٹی میں بھی چند مخلص بندے اور میڈیکل کالج میں بھی کچھ فکر مند احباب دعوتی اعمال کے فروغ کیلئے کوشاں ہیں۔

## منفی سیاست سے مثبت سیاست کی طرف

اسلامی سیاست کیا ہے اور اس کا طریقہ کار کیسا ہونا چاہیئے؟ بدقسمتی سے مغربی علوم کے فروغ کی وجہ سے مسلمان سیاست دان بھی غیروں کے طرز عمل کی نقل اُتارنے لگے اور سیاست، پروپیگنڈہ، جلسے جلوس اور میڈیا کے ذریعہ اشتہار بازی وغیرہ کا نام ہی رہ گیا۔ حالانکہ اسلامی سیاست کا منشاء یہ ہے کہ مُجاہدوں اور قربانیوں کے ذریعے امت کے افراد کا ذہن اسلام کے لئے مال وجان قربان کرنے والا بنایا جائے۔ مولانا الیاسؒ صاحب کا طرز فکر یہ تھا کہ "دیندار طبقے کو کرسیِ اقتدار پر بٹھانے کے بجائے اہل اقتدار وحکومت تک دین پہنچایا جائے تاکہ ان میں دینی شعور و مذہبی جذبات بیدار ہو جائیں اور وہ آخرت کو سامنے رکھ کر حکومت کریں" (بحوالہ دعوت کی بصیرت صفحہ نمبر ۲۳۴) مولانا الیاسؒ سیاست سے پہلے دعوت کے قائل تھے۔ جس سیاست کی بنیاد دعوت پر نہیں ہے وہ سیاست بے بنیاد اور متزلزل عمارت ہے۔" اور عام طور پر سیاست والوں کے نزدیک سیاست سے یہ مراد ہے کہ کسی کام کو قوت اور اقتدار سے اور کسی ضابطہ اور نظام کے ذریعہ کرایا جائے۔ اور دعوت سے مراد محض تشویق وترغیب اور کسی چیز کے منافع اور فضائل بتا کر اس پر شوق سے آمادہ کرنا ہے۔

(دیکھو مولانا الیاسؒ اور انکی دینی دعوت صفحہ نمبر ۲۹۴/۲۹۵)

## حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ

## پیدائش 1904ء وفات 1984ء

حضرت منشی صاحبؒ بستی نظام الدین اولیاء دہلی کے تبلیغی مرکز کے اکابرین میں سے تھے۔ آپ 1904ء میں قصبہ پنڈ ارخان ضلع جہلم پنجاب پاکستان میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت

Scanned with CamScanner

ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور سارا ملک بشمول پاکستان و بنگلہ دیش ہندوستان ہی کہلاتا تھا۔ آپ کے والد صاحب کا نام غلام نبی تھا۔ آپ 1984ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس طرح آپ نے 80 برس کی عمر پائی۔

حضرت منشی صاحب کی ابتدائی تربیت اُن کے والد صاحب نے اپنے ہی گھر میں اپنی نگرانی میں کی۔ ابتدائی تعلیم بھی اپنے گھر میں ہی حاصل کی۔ آپ کے تین بھائی تھے۔ تینوں میں آپ سب سے بڑے تھے۔ دوسرے بھائی کا نام خدا بخش اور تیسرے بھائی کا نام عاشق حسین تھا۔ آپ کے پورے خاندان میں سادگی اور دینداری عام طور پر پائی جاتی تھی 1948ء میں ملک تقسیم ہونے کے بعد آپ اپنے آبائی وطن پاکستان چلے گئے۔ رشتہ داروں سے ملاقی ہوئے اور چند دن گزارنے کے بعد اپنے فرزند فضل الٰہی کو جو اُس وقت بارہ برس کے تھے اپنے ساتھ دہلی لائے اور بستی نظام الدین میں بود و باش اختیار کی۔ دہلی سے آپ کچھ وقت آگرہ آ کر ایک راشن کی دکان میں بحیثیت منشی اپنا فریضہ انجام دیتے رہے۔

## دعوت کے ساتھ جڑنے کا سبب

یہ زمانہ دعوت و تبلیغ کی تاریخ میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب کی امارت کا تھا اور مختلف جماعتیں دہلی کے قرب و جوار میں کام کرتی تھیں اور اس محنت کے نتیجے میں خدا کے بہت سارے مقبول بندے کام کے ساتھ جڑ گئے تھے۔ آگرہ میں بھی جماعتوں کا آنا جانا شروع ہوا تھا۔ منشی صاحبؒ جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے اُس کا مؤذن بھی ایک دعوتی درد رکھنے والا بندہ تھا۔ وہ اکثر منشی اللہ دتاؒ صاحب کو اللہ کے راستے میں نکلنے کی ترغیب دیتا تھا۔ ایک دفعہ جب کہ جماعت آگرہ میں آئی تھی منشی جی کو بھی تعلیم کے حلقے میں شریک کرنے میں کامیاب ہوئی۔ منشی صاحب کے دین پسندی کے فطری جذبہ کو جماعت والوں کی محنت نے جلا بخشی اور وہ منشی صاحب کو مرکز لانے میں کامیاب

Scanned with CamScanner

ہو گئے۔ حضرت جی دوم یعنی مولانا یوسفؒ کے ساتھ مصافحہ کرایا۔ مولانا نے اپنے تبلیغی سفر میں منشی صاحب کو اپنے ساتھ لیا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ منشی صاحب نے آگرہ سے پھر واپس دہلی آ کر بستی نظام الدین میں اپنی بود و باش اختیار کی۔ اپنے ساتھ اپنی اہلیہ اور ایک لڑکی کو ساتھ لائے۔ اُن کے والد صاحب مع چند اہل خانہ جن میں منشی صاحب کے اکلوتے بیٹے فضل الٰہی بھی تھے۔ ممبئی کے راستے سے کراچی واپس چلے گئے۔ مولانا یوسفؒ صاحب نے 1944ء میں امارت سنبھالی اور اس وقت منشی صاحب 40 سال کے تھے۔ اور اس عمر میں آپ نے لمبے لمبے اسفار شروع کئے۔ جن میں ہندوستان تو سرفہرست ہے ہی۔ اس کے علاوہ حجاز، شام، اُردن، سعودی عربیہ وغیرہ ممالک بھی شامل ہیں۔ ان اسفار کے مجاہدوں کا حال تحریر سے تو کیا سمجھ میں آئے گا۔ شاید علامہ اقبالؒ کا یہ شعر کچھ گرہ کھول سکے۔

دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

حضرت منشیؒ صاحب بستی نظام الدین میں ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے جو مکان سے زیادہ حجرہ کہلانے کا مستحق ہے۔ صرف دو چھوٹے کمرے تھے۔ عیال کافی زیادہ اور جگہ بہت کم تھی۔ حجرے کی توسیع کے لئے جب ایک صاحب نے پیش کش کی تو حضرت منشی اللہ دتا صاحب نے انکار فرمایا۔ ایک دفعہ میرے سامنے بچوں کی طفلانہ شوخیوں پر مزاحاً فرمایا کہ ہم دو میاں بیوی یہاں مرنے کے لئے آئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر سولہ ہو گئے۔

**عبادت:۔** نماز باجماعت کا زبردست اہتمام تھا۔ سات مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ایک دفعہ کسی نے حاجی صاحب کہہ کر پکارا۔ فرمایا اگر عبادت کی بنیاد پر کسی کو پکارنا پسندیدہ امر ہوتا تو میں اپنے لئے حاجی کے بجائے نمازی لقب تجویز کرتا کیوں کہ اللہ کے فضل سے چالیس سال تکبیر

Scanned with CamScanner

اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔آپ مرکز نظام الدین مسجد بنگلہ والی میں مؤذن بھی تھے فرماتے تھے اذان میرا محبوب عمل ہے۔اذان سے اللہ کے بندے اللہ سے جڑ جاتے ہیں۔یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔اوراس کے لئے دعوتِ التامۃ کے الفاظ (یعنی مکمل دعوت) استعمال ہوئے ہیں۔

**علم:۔** اگر چہ آپ کسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل عالم نہیں تھے پھر بھی آپ ایک عالم یا مولوی سے کم بھی نہیں تھے۔میں نے خود دیکھا اور سنا ہے کہ آپ نے فضائل اعمال میں ایسی زبردست بصیرت حاصل کی تھی کہ اکثر احادیث عربی متن کے ساتھ مع معنی کے اپنے بیان میں زبانی ازبر بیان فرماتے تھے اور سامعین محسوس کرتے تھے کہ مولانا کسی نہ کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونگے۔حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ اللہ کی نصرتوں کو کھول کھول کر بیان فرماتے تھے ۔سامعین محسوس کرتے تھے کہ اللہ کے دین کے اس داعی کو حقُّ الیقین حاصل ہے۔

**کشف وکرامات:۔** آپ ایک صاحبِ کشف وصاحبِ کرامت بزرگ تھے۔اللہ کے فضل سے آپ سے بارہا کرامتوں کا ظہور ہوا۔اس کے علاوہ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ایک دفعہ ایک دعوتی سفر میں آپ سے گوشت کی فرمائش کی گئی۔آپ نے دعا فرمائی۔زبردست بارش ہوئی اور پانی ایک پہاڑ سے ایک جنگلی ہرن کو بہالایا۔ساتھیوں سے فرمایا کہ اللہ نے گوشت بھیجا ہے۔اس کو ذبح کرواور کھاؤ۔دوسری دفعہ ایک شیر جنگل سے مسجد کی طرف آیا۔منشی صاحب نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا کہ ہم اللہ کے راستے میں اپنا یقین درست کرنے کے لئے نکلے ہیں۔لہٰذا تو واپس جا۔شیر اللہ کے حکم سے واپس جنگل کی طرف گیا اور اس طرح جماعت کے ساتھیوں کو راحت ملی۔احمد آباد میں ایک جادوگر جس نے مسلمانوں کو چیلنج دیا تھا آپ کی دعا سے دریا میں ڈوب گیا۔

**کشمیر کے ساتھ آپکا تعلق:۔** منشی اللہ دتاؒ صاحب سے پہلے کشمیر میں صوفی عثمانؒ صاحب مرکز نظام الدین سے ایک جماعت ساتھ لے کر کشمیر آئے۔یہ 1960ء سے پہلے کی بات ہے۔1961ء سے

منشی اللہ دتا صاحب کے کشمیر کے اسفار شروع ہوئے۔ آپ کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے اصحاب ہوتے تھے۔ جن میں تاجر، ملازم اور طلباء سب شامل ہوتے تھے۔ آپ نے وادی کے سفر کے دوران سرینگر، اسلام آباد، سوپور، بانڈی پورہ، بارہمولہ، ہندواڑہ اور کپواڑہ میں تبلیغی محنت کی۔ بارہمولہ اور علاقہ ناروا ؤ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اور یہاں آپ کی خاص طور سے پزیرائی ہوئی۔ جس کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی ہے کہ مولانا سید عبدالولی شاہؒ صاحب نارانتھلی ثم بارہمولوی نے پہلے سے ہی توحیدی ذہن اجاگر کیا تھا۔ لہٰذا منشی جی کی ایمان ویقین والی دعوت کو سمجھنے میں یہاں کے عوام کو زیادہ دیر نہیں لگی۔ منشی صاحب حضرت مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب کی بہت قدر فرماتے تھے۔ بارہمولہ کے جن اصحاب نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا اُن میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ (۱) حضرت امیر احمد صاحب المعروف پرویز احمد خان صاحب (۲) محترم نور حسینؒ صاحب ساکنہ سنگری بارہمولہ (۳) محترم حاجی محمد یوسف بٹ صاحب۔ (۴) محترم غلام رسول ریگو صاحب مرحوم المعروف فوروے ہوٹل والا۔ (۵) عبدالکریم صوفی صاحب المعروف کاک جان صاحب (۶) عبدالغفار شوشہ صاحب (۷) حاجی محمد مقبول مہجو صاحب سابق ممبر اسمبلی (۸) عبدالرشید وانی صاحب المعروف ژور صاحب۔ (۹) حاجی عبدالغفار لون صاحب مرحوم (۱۰) حاجی غلام الدین صاحب مرحوم

## حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈوی دامت برکاتہم

قصبہ (ٹانڈا) یوپی کے رہنے والے ہیں۔ حضرت منشیؒ صاحب کے بعد آپ نے کشمیر کے چند اسفار فرمائے۔ آپ ابھی بقید حیات ہیں اور مرکز نظام الدین کے اکابرین کے زیر سایہ کام کرتے ہیں۔ آپ ایک دینی مدرسہ بھی چلا رہے ہیں اور یوپی کے معروف داعیان کرام کے صف اول کے ذمہ داروں میں تصور کئے جاتے ہیں۔ آپ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ ایک پرکشش اور

Scanned with CamScanner

دلکش شخصیت کے مالک ہیں اور خوش بیان مقرر بھی۔ آپ کی زبان میں بلا کی تاثیر ہے۔ ہر لفظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے۔ ایک دفعہ میں نے بچشم خود میرٹھ شہر کے مرکز میں سامعین کے ایک جم غفیر کے سامنے آپ کا ایمان افروز بیان دیکھا اور سنا۔ لوگ عش عش کرتے رہے۔ خاصی تعداد میں سامعین نے اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے اپنے نام پیش کئے۔ آپ انتہائی حسن اخلاق کے مالک ہیں۔ حضرت منشی صاحبؒ کی خصوصی نظر شفقت آپ پر تھی۔ آپ بونیار اُوڑی کے اجتماع میں مہمان خصوصی تھے اور اُدھر ہی لوگوں کے ایک ہجوم نے آپکے دست مبارک پر بیعت کی۔ علاقہ نارواؤ بارہمولہ میں بھی چند بار تشریف لائے۔ اپنے سفر کے دوران مجھ ناچیز پر بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا۔ ایک سفر کے دوران پیدل چلتے چلتے چند احادیث مع عربی متن کے یاد کرائیں۔ ایک مجلس میں اپنے کسی معتبر تبلیغی بزرگ کا حوالہ دیکر ان کے یہ الفاظ فرمائے کہ آج کل چار ہم وزن باتوں کا سخت زور ہے۔ تحریر کا، تقریر کا، تعمیر کا، تصویر کا، ایک دفعہ فرمایا کہ کام کی سطح اور معیار بڑھ جانے کے ساتھ اکابر اس دعوت والے عمل میں چند اور اصول کا انکشاف فرماتے ہیں لیکن اس سے پہلے والے طرز عمل کی تحقیر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس موجودہ ترقی یافتہ طرزِ عمل کی اصل وہی پرانا طرزِ عمل ہے۔ اور اسی سے ہم اس درجہ تک پہنچے ہیں۔ قصبہ بارہمولہ اور سوپور کے بہت سارے مُتموّل افراد اور وکلاء کو اس مبارک محنت کے ساتھ جوڑنے میں آپ نے نمایاں رول ادا کیا۔ بہت سارے لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ اللہ پاک آپ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

## دھلی سے یکے بعد دیگرا کابرین کی آمد

اس کے بعد دہلی سے کئی اکابر اپنے ساتھ جماعتیں لاکر کشمیر تشریف لائے۔ جن میں میاں جی محرابؒ، ڈاکٹر نادر علی خان صاحب، محمد یوسف پالنپوری صاحب اور کئی دیگر اکابرین قابل ذکر ہیں۔ حافظ محمد یوسف صاحب مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب سے اور مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب حافظ

Scanned with CamScanner

صاحب سے بہت متاثر تھے۔ اور دونوں بزرگوں کو آپس میں خصوصی لگاؤ پیدا ہوا تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے میرے نام ایک خط میں کیا تھا۔

## محترم المقام امیر احمد خانصاب المعروف پرویز احمد خان صاحب دامت برکاتہم

آپکے اجداد اصل میں افغانستان کے رہنے والے تھے کچھ عرصہ راولپنڈی پاکستان میں مقیم رہنے کے بعد تقدیر نے کشمیر پہنچا دیا۔ اور قصبہ بارہمولہ جوان دنوں کشمیر کا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ آپکے والد صاحب محکمہ مال کے بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ نہایت ہی شریف الطبع اور دیندار تھے آپکے گھرانے کے سب افراد تعلیم کے نور سے آراستہ تھے۔ آپ تین بھائی تھے جن میں ایک انجینئر کے عہدے پر فائز تھے اور دوسرے بھائی ہمسایہ ملک میں جا کر وہاں اپنے رشتہ داروں کے پاس سکونت پزیر ہو گئے۔ آپ طبعاً ملازمت سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک ''عبد حُر'' کی طرح پرسکون زندگی گزارنے کا جذبہ رکھتے تھے گھر میں علمی ماحول ہونے کی وجہ سے علم وادب کے ساتھ خاص شغف تھا۔ دینی کتب کا بڑا ذخیرہ گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے آپ کا مطالعہ بہت ہی وسیع تھا۔ میری معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مجھے چند اہم دینی کتب مطالعہ کرنے کے لئے دیں۔ آپ نے اُس زمانے میں گریجویشن کی تھی جس میں آپ اپنے والد صاحب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے کسی بڑے منصب پر فائز ہوئے ہوتے۔ لیکن آپ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ بچپن سے ابتدائی شباب تک آپ ایک اچھے کھلاڑی بھی تھے۔ دینی تحریکوں کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے۔ اپنا قومی اور خاندانی لباس (جو عین شرعی تقاضوں کو پورا کرتا ہے) کے ساتھ آپ کو بچپن سے ہی دلچسپی تھی۔ اسی طرح نماز کے آپ بچپن سے ہی پابند تھے۔ جب منشی اللہ دتاؒ صاحب کشمیر تشریف لائے تو اُن کی نظر انتخاب وشفقت نے آپ کو کندن بنایا اور اپنے حسن اخلاق اور بزگوں کی نظر انتخاب کی وجہ سے دعوت وتبلیغ کے پہلے امیر کی حیثیت سے

Scanned with CamScanner

نمودار ہو گئے قصبہ بارہمولہ کے تمام مکاتب فکر کے لوگ آپ کی ذات سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔آپ نے اپنی ساری زندگی کو دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کیا ہے۔ہم عصر دینی تحریکوں کے ساتھ جدال و مخاصمت کے بجائے باہمی اکرام و مصالحت کے آپ بچپن سے ہی قائل تھے۔بارہمولہ کے عوام آپ کے حُسنِ اخلاق کے معتقد ہی نہیں بلکہ فدوی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جدید عیدگاہ بننے کے بعد مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب اور بارہمولہ کے عوام نے آپکو متفقہ طور پر اس کا امام بنایا۔آپ نے علاقہ نارواؤ میں اور بارہمولہ کے دیگر مضافاتی علاقوں میں ابتدائی شباب سے ہی دعوتی محنت کی۔اس کے بعد جوں جوں تبلیغ کا حلقہ اثر بڑھتا گیا آپ پر اتنی ہی زیادہ دعوتی ذمہ داریاں عائد ہوتی چلی گئیں جنہیں آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔آپ کے عنفوانِ شباب میں بارہمولہ کے کئی اشراف گھرانے آپکو عقد نکاح میں باندھنے کے متمنی تھے لیکن محض دینی مصلحتوں اور مجبوریوں کی خاطر آپ نے کافی عرصہ تک تجرُّد کی زندگی اختیار کی۔آخر چند ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر آپ کا نکاح یوپی کے شہر مرادآباد کے ایک مضافاتی قصبہ سنبھل میں ایک بڑے عالم دین کے گھر میں ۱۹۸۱ء میں ہوا۔اور اس طرح اللہ نے آپ کو اولاد نرینہ سے نوازا جو انشاء اللہ شرافت و نجابت میں آپ کے صحیح وارث اور جانشین ثابت ہونگے۔آپ کا آبائی مکان چونکہ بارہمولہ کی فوجی چھاونی کے دائرے میں آگیا تھا لہٰذا کچھ وقت کرایہ کے مکان میں گذارنے کے بعد کانلی باغ بارہمولہ میں ایک رہائشی مکان بنایا جس میں آپ اس وقت سکونت پزیر ہیں اور آپ کی ذات مرجع خاص وعام بنی ہوئی ہے۔آپ کو اپنے مرشد کی طرف سے خلق خدا کو روحانی نفع رسانی کے لئے بیعت کرنے کی اجازت بھی حاصل ہے۔اور کافی نوجوان اور عقیدت مند آپ کے ہاتھ پر بیعت ہورہے ہیں۔آپ اکثر لمبے لمبے سفروں پر رہتے ہیں اور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود دین کے ہر تقاضے پر عمل پیرا ہیں۔آپ مجسم ہمت وصبر ہیں۔ایک دفعہ وادی کشمیر کے ذمہ داروں کے مشورہ میں

Scanned with CamScanner

یہ بات کہنے میں آئی کہ حضرت امیر صاحب کو اب لمبے لمبے اسفار سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا یہ مجھے منظور نہیں۔ آپکے حسن اخلاق کی وجہ سے پوری ریاست آپ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور اس میں واقعی کوئی مبالغہ نہیں۔ 5 مارچ ۲۰۱۱ء کو آپ دہلی میں تھے اور پہلی مرتبہ آپ نے مولانا ارشد صاحب کو پیغام بھیجا کہ وہ وادی کے مشورہ کی ذمہ داری سنبھالیں۔ دوسرے دن بعد بیان فجر جب مولانا موصوف دعا کے لئے تشریف لائے تو امیر صاحب کی عدم موجودگی پر خود بھی روئے اور مجمع کو بھی رلایا۔ جب آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ آج ہم اپنے آپ کو بغیر سایہ کے محسوس کر رہے ہیں اور مجمع کو اس بات کا احساس دلایا کہ واقعی ہم ایسا عالی ظرف امیر حاصل ہونے کا شکر کرنے سے قاصر ہیں اور اس نعمت پر غور نہیں کرتے ہیں کہ اللہ نے امیر صاحب کی شکل میں ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور صحبت صالح کیا چیز ہے۔ کشمیر میں جتنے چھوٹے بڑے دینی مدارس ہیں تقریباً سب آپکو اپنا سرپرست مانتے ہیں اور سب وقتاً فوقتاً آپ سے مفید مشورے حاصل کرتے ہیں۔ کشمیر کے سیاسی شور شرابے سے آپ نے ہمیشہ اپنے دامن کو بچایا اور حکام وقت، امراء و رؤساء سے استغنا برتتے ہوئے یکسوئی کی ساتھ دینی خدمات میں لگے رہے اور اپنی ساری صلاحیتیں دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دعوت کی اس محنت کے شدید مخالفیں اور ان کے بچے جوق در جوق علماء اھل حق اور دعوت و تبلیغ سے جڑتے چلے جارہے ہیں فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

## شیخ طریقت پیر شمس الدین لولابی صاحب مد ظلہ العالی

آپ موضع سونہ نار دار پورہ علاقہ لولاب کپواڑہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا گھرانہ اپنے اسلاف کے علمی اور روحانی اقدار کا وارث ہے۔ آپ کے دوسرے برادرؒ بھی علم و تقوی سے آراستہ تھے۔ آپ بچپن سے ہی ایک زبردست عابد تھے۔ جب منشی اللہ دتاؒ صاحب کشمیر تشریف لائے آپ اس وقت سوگام جامع مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ بارہمولہ سے جب

Scanned with CamScanner

حضرت منشی اللہ دتا صاحب سوگام لولاب تشریف لے گئے تو پیر صاحب کو اپنی نظرِ شفقت سے نوازا ۔اوران کی شرافت، سادگی اور دین داری کو دیکھ کر فرمایا کہ ''مجھے میرا مطلوب مل گیا'' پیر صاحب بھی فوراً ہی آپ کے کمالات کو دیکھ کر بہت متاثر ہو گئے اور حضرت منشی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے شریک سفر بنے۔ چونکہ پیر صاحب کا پہلے ہی سے پورے علاقے میں ایک خاندانی اثر موجود تھا۔اور عوام میں کافی مقبولیت تھی اس اثر اور مقبولیت نے دعوت کے کام کو عوام میں متعارف کرنے میں کافی مدد دی جو منشی جیؒ کے ہاں پیر صاحب کے زیادہ منظور نظر بننے میں ممد و معاون ثابت ہوئی ۔پیر صاحب نے بڑی استقامت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت منشی جیؒ کے ساتھ مربوط رکھا جس کی وجہ سے یہ دونوں حضرات ایک جان دو قالب ہو گئے اور جب منشی جی نے دہلی واپس جانے سے قبل بارہمولہ کے اس زمانہ کے تاشقند اڈہ (جو موجودہ سیمنٹ پل کے جنوب مغرب میں واقع تھا) کے اجتماع میں اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے دو مریدوں یعنی پیر شمس الدین صاحب لولابی اور ولی محمد شاہ صاحب سوپوری کو خلافت دی ہے۔لہٰذا میرے واپس جانے کے بعد اگر کوئی طالب ہمارے ساتھ تعلق جوڑنا چاہتا ہے تو وہ ان دو خلیفوں کی وساطت سے مجھ سے بیعت ہو سکتا ہے۔ پورے مجمع میں ان دونوں کو کھڑا بھی کیا۔اس کے بعد کشمیر کے بہت سارے لوگ پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی محنت میں اپنے آپ اور اپنے پورے گھر کو جھونکنے کے علاوہ پیر شمس الدین صاحب کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے کپواڑہ میں ایک بڑا دعوتی مرکز ''مسجد مُرشدین'' کے نام سے تعمیر کیا جس پر ایک زر کثیر کا خرچہ لگ گیا اور ہزاروں لوگ اس مرکز سے مستفید ہو رہے ہیں اور یہ مرکز جموں و کشمیر کے بڑے دعوتی مراکز میں سے ایک اہم مرکز ہے۔اس سے قبل کپواڑہ جامع مسجد میں تبلیغی اجتماعات اور شب گذاری ہوتی تھی اور کپواڑہ کا تاریخی اجتماع بھی قدیم جامع مسجد کے

Scanned with CamScanner

صحن میں منعقد ہوا تھا۔ جب تک آپ کی صحت آپ کا ساتھ دیتی رہی آپ وادی کے مشوروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے صرف ملکی مشوروں میں ہی شرکت کرتے ہیں اور کپواڑہ کے، مرکز میں اکثر اوقات گذارتے ہیں اور دعوت وتبلیغ کے کام کی نگرانی فرماتے ہیں۔ آپ کی ذات کشمیر کے عوام وخواص کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ آپ کا دعوتی فکر سمجھنے کے لئے آپ کے چند ملفوظات سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ اپنے بیان میں فرمایا۔

دادحق را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرط قابلیت داد اوست

(ترجمہ) ''خدا کی عطا کے لئے قابلیت شرط نہیں بلکہ قابلیت بے چاری خود عطائے ربانی کی محتاج ہے''

موجودہ دعوتی محنت کو ایک عطیہ رب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس دور میں جب اللہ نے اس دعوت والی محنت کو چلایا تو خانقاہی والا طریقہ موقوف ہو گیا اور یہ دعوت والا آگے بڑھا۔ نیز فرمایا کہ دعوت والی محنت پر جو کچھ اللہ عطا کرتا ہے اس دنیا میں انسان اس کے تصور کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اگر جنت کی حور اپنی انگلی کا ایک پور اس دنیا میں آشکارا کرے تو دنیا کی ساری روشنی ماند پڑ جائے گی۔ لیکن داعی کو خدا ایک ایسا مقام عطا فرمائے گا کہ جب جنت میں حور کی نظر داعی پر پڑے گی تو جنت کی حور بے ہوش ہو جائے گی۔ اب اندازہ لگانا چاہئے کہ جب جنت کی حور داعی کے نور کی متحمل نہیں ہو سکتی تو اگر دنیا میں خواب یا کشف وغیرہ کے ذریعہ داعی کو اپنا مقام دکھایا جائے گا تو داعی اس دنیا میں اپنے حواس کھو بیٹھے گا۔ وہ دیوانوں کی طرح بھاگے گا۔ فرمایا کہ میں نے ایک معتبر عالم سے سنا ہے کہ مولانا الیاسؒ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ یہ کام کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں اس کے جزائے اخروی کو پردہ میں راز کی طرح رکھ۔ خواب یا کشف کے ذریعے بھی اس کو ظاہر مت فرما۔ لہٰذا اس بات کی فکر میں بھی نہیں پڑنا چاہیے کہ اللہ مجھے خواب

Scanned with CamScanner

یا کشف کے ذریعہ کچھ آگاہی فرمائے۔ ہمارے بہت سے کارکن کبھی کبھی میرے پاس اس بات کا شکوہ کرتے ہیں کہ حضرت اتنے برس اس کام میں لگے ہوئے گذرے لیکن ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ مولانا الیاسؒ کی دعا دعوت والوں کو لگ گئی ہے کہ اس کام کے کرنے والے اس دنیا میں روتے ہی رہیں اور اپنے آپ کو ہیچ تصور کرتے رہیں تا کہ آخرت میں زیادہ سے زیادہ ترقیات و مقامات سے ان کو نوازا جائے۔ لہٰذا دعوت کی راہ میں خلافِ طبیعت امور کو خوشی کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مقام اگر چہ بہت ہی اونچا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا مقام سب سے اونچا ہے۔ جس کی ایک خاص وجہ حضور ﷺ کا قوّتِ برداشت ہے تمام پیغمبروں نے راہ حق کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن پھر بھی کبھی ان کی زبان سے قوم کے متعلق بد دعا نکلی۔ لیکن حضور ﷺ نے کبھی بد دعا نہیں کی۔ ایک دفعہ جموں کی سب سے بڑی جامع مسجد میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان چار شرطوں کو بیان فرمایا جو نصرتِ خداوندی کے لئے مولانا عمرؒ صاحب بھی اکثر بیان میں فرماتے تھے۔ علاقہ ناروا ؤ میں کئی اسفار میں کھول کھول کر دعوتی محنت کے فضائل بیان فرمائے۔

## حضرت ولی محمد شاہ صاحب سوپور مدظلہ عالی

آپ قصبہ سوپور کے رہنے والے ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ ابھی آپ نے بڑھاپے میں قدم نہیں رکھا تھا کہ قصبہ سوپور میں ۱۹۶۹ء میں آپکی ملاقات حافظ محمد یوسف ٹانڈوی صاحب دامت برکاتہم سے ہوئی۔ ٹانڈا ہندوستان کی ریاست یوپی (U.P) میں واقع ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے سب سے پہلا بیان خوشحال متو سوپور میں حضرت حافظ محمد یوسف صاحب کا سنا اور انہوں نے مسجد میں میری تشکیل نہیں کی۔ دوسرے دن ان کا بیان خانقاہ سوپور میں تھا۔ انھوں نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی۔ اس دن میں وہاں بھی گیا اور تیسرے روز حافظ صاحب ہمارے گھر پر تشریف لائے۔ پھر ان کی فرمائش پر میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن بعد میں منشی اللہ دتا

Scanned with CamScanner

صاحبؒ نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ ولی محمد شاہ صاحب کو مجھے دے دو یہ میری تربیت میں رہے گا۔ اس کے بعد حضرت منشی اللہ دتا صاحبؒ نے مجھے اور پیر شمس الدین صاحب کو بارہ مولہ کے تاشقند اڈہ والے اجتماع میں خلافت سے نوازا۔ فرمایا کہ اگر چہ ہمارے بزرگوں کے پیر شمس الدین صاحب کے بزرگوں کے ساتھ سابقہ تعلقات تھے لیکن ذاتی طور پر مجھے پیر شمس الدین صاحب کی معرفت حاصل نہیں تھی۔ بعد میں اسی تبلیغی محنت کے دوران باہمی روابط قائم ہوئے۔ فرمایا کہ پیر شمس الدین صاحب کے ذریعہ سے مجھ تک یہ بات پہنچی کہ منشی اللہ دتا صاحبؒ کے مرشد مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے منشی اللہ دتا صاحب کو کیسے خلافت سے نوازا جب کہ منشی صاحب مُروَّجہ قسم کے مولوی وغیرہ بھی نہیں تھے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں کیا کرتا یہ ایک خشک لکڑی تھی اس نے فوراً آگ پکڑ لی۔ دائرہ تبلیغ میں آنے کے بعد حضرت ولی محمد شاہ صاحب سوپوری نے اپنے کاروبار کو محدود کر لیا اور اپنے آپ کو تبلیغ کیلئے وقف کر دیا اور حضرتنا امیر احمد صاحب امیر تبلیغی جماعت جموں وکشمیر کے ساتھ اکثر اسفار میں پیش پیش رہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے آپ اس وقت صاحبِ فراش ہیں۔ لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی نماز، تسبیح اور تلاوت کے زبردست پابند ہیں۔ آپ قصبہ سوپور میں دعوت کا کام جمانے میں بہت ہی فکرمندی کے ساتھ مصروف عمل رہے اور اپنے قریبی ساتھی محمد اشرف انیم صاحب وغیرہم کے ساتھ مسجد زکریا کو ایک سرگرم مرکز بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر چہ آپ بیان وغیرہ کم فرماتے رہے لیکن اپنے قیمتی مشوروں اور حلم و دانشمندی سے اس کاز کو ہمیشہ نفع پہنچاتے رہے۔

Scanned with CamScanner

# رسالہ ھذا کے متعلق

## محترم مولانا سید عبدالرحیم شاہ صاحب مہتمم وصدر مفتی دارالعلوم المصطفوی کے تاثرات

باسمہ تعالیٰ شانہ

نحمدہ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم . امابعد

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا آلاف تحیۃ کو مختلف انداز سے اپنی اہمیت و عظمت سے آشنا کرتے ہوئے اُن پر عائد سب سے اہم فریضہ جو کہ ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کا لازمی نتیجہ اور اُس کے خیر اُمت ہونے کی بنیاد ہے یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بار بار تاکید وتلقین کی گئی ہے اور اِس فریضہ کو ادا نہ کرنے کی صورت میں ذلت ورسوائی، پستی و جگ ہنسائی، دنیا میں ظالموں کا تختہ مشق ونوالہ تر بننے اور آخرت میں عذاب شدید کی وعیدیں بھی سُنائی گئی ہیں۔ جس کی بنا پر خیر القرون سے آج تک اور انشاء اللہ تا قیام قیامت دین کے شیدائی ہمہ قسم کی قربانیاں پیش کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ کے اس کار نبوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر خلق خدا پر اتمام حجت کا کام انجام دیتے رہینگے اور کسی کے پاس بھی اس سلسلے میں کوتاہی و پہلوتہی کے سلسلے میں عذر لنگ پیش کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ خود نبی کریم ﷺ اس دعوت حق کیلئے گھر گھر اور در در کی خاک چھاننا اپنا منصبی فریضہ یقین فرماتے تھے۔ چنانچہ کبھی آپ مکہ کے ریگزاروں اور پہاڑوں میں جھلستی ہوئی گرمی میں اس مہم میں مصروف ہے اور کبھی اس کیلئے مکہ معظمہ سے طائف کا سفر فرمارہے ہیں کبھی عکاظ اور ذی المجنہ کے بازاروں میں آپ صدائے حق بلند فرمارہے ہیں اور کبھی موسم حج میں مختلف وفود کو دعوت دین سے آگاہ فرمارہے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ روم و ایران اور حبش ومصر نیز اس وقت کی زبردست مادی قوتوں والے بادشاہوں تک آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو سفرا بنا کر روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ بھی پیغام حق اور اللہ کی آخری شریعت سے آگاہ ہوسکیں۔ پھر یہی نعمت ایمان اور دین حق خدا کے دیوانے اور نبی رحمت ﷺ کے پروانے ہر براعظم، ہر ملک، ہر زبان، ہر نسل اور رنگ کے لوگوں تک پہنچاتے رہے جن کی تاریخ بہت طویل ہیں اور پڑھنے، سمجھنے واختیار کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ہمارے اس آخری دور میں مجدد دعوت وتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت وتوفیق سے اصول دین میں گہرے غور وتدبر، قرآن وحدیث کے عمیق مطالعہ وتفکر، دین کے مزاج سے صحیح واقفیت نیز صحابہ کرامؓ اور قرن اول کے طرز زندگی کے وسیع اور گہرے علم کے نتیجے میں ایک اعظیم تحریک احیائے دین اور غلبہ حق

Scanned with CamScanner

کیلئے برپا کی جو آج الحمدللہ عالمی سطح پر اپنوں اور غیروں سے لوہا منوا چکی ہے۔ جس کے زیر سایہ بے شمار گمراہ، بددین، بے دین اور سیاہ کار و بداطوار اپنے غلط طرز عمل سے توبہ کر کے دین حق کے داعی، سپاہی، فدائی اور شیدائی بن چکے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ چراغ سے چراغ جلانے کا سلسلہ تمام عالم میں اس طریقہ دعوت و تبلیغ سے قائم ہو چکا ہے۔

یہ عظیم دعوت اگرچہ ابتداءً میوات سے شروع ہوئی مگر اللہ کے فضل سے مختلف خطوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے ریاست جموں و کشمیر میں بھی وارد ہوئی۔ چونکہ یہ سرزمین اولیاء اور مسلم اکثریتی علاقہ ہے نیز یہاں کے لوگ ہمیشہ دین و اہل دین کے قدر شناس، عقیدت مند اور مہمان نواز رہے ہیں۔ لہٰذا تبلیغ و دعوت کے اس شجر طوبیٰ کو یہاں پھلنے پھولنے کے اچھے مواقع حاصل ہوئے اور مخلص نوجوانوں و بزرگوں کی ایک بڑی تعداد ہمہ وقت اس تحریک کی آبیاری و اشاعت کیلئے وقف ہو چکی ہے۔ **اللھم زد فزد آمین۔**

بہرحال کشمیر جنت نذیر میں اس کار نبوت اور عالمی دعوتِ روئداد میں اسی سلسلۃ الذھب سے وابستہ ایک اہم شخصیت جناب الحاج ماسٹر غلام نبی وانی فتحکڈھی زید مجدھم نے شستہ قلم، آسان و عام فہم اور معتبر و مستند ذرائع سے مرتب فرما کر نہایت مبارک قدم اُٹھایا ہے۔ جس سے انشاء اللہ دعوت کی اس عظیم محنت کے متعلق ایک طرف قیمتی معلومات حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سارے سیدھے سادے مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا بھی بڑی حد تک اِزالہ ہونے کی توقع ہے اور یہ عظیم روئداد اب سینوں سے سفینے میں منتقل کر کے مؤلف موصوف نے ایک بڑی ذمہ داری اور بارِ امانت سے اپنے آپ اور قدیم دعوتی ساتھیوں کو سبکدوش کر دیا ہے۔ اب یہ آئندہ آنے والے نسلوں کا کام ہے کہ وہ اس تحریک کو اصول و آداب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے خون پسینے سے اس کی آبیاری کرتے ہوئے اپنے لئے زادِ آخرت اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت و استقامت کا سامان کریں۔ اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق بخشے اور ایمان و عمل صالحہ کی محنت کرتے ہوئے خاتمہ بالخیر سے سرفراز فرمائے' آمین ثم آمین'۔

نوٹ:۔ احقر اگرچہ اس کتاب پر لکھنے کا اھل نہیں ہے۔ مگر مؤلف موصوف نے حسن ظن کی بنا پر انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی سعادت کا موقعہ بخشا۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزا۔**

احقر

عبدالرحیم

Scanned with CamScanner